دینی و دُنیوی تعلیم کا سنگم

قرآن کالج لاہور

(بورڈ سے الحاق شدہ)

بی اے (سال اول) میں داخلہ شروع ہے

پُرسکون تعلیمی ماحول، محنتی اور قابل اساتذہ، مثالی نظم و ضبط

کمپیوٹر کی لازمی، مفت تعلیم کی سہولت

نوٹ: نتیجہ کے منتظر طلبہ بھی درخواست دے سکتے ہیں،

—— تفصیلات کیلئے پراسپکٹس طلب کریں ——

پرنسپل قرآن کالج

اتاترک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور فون: 5860024-5833637

- ایک مسلمان کی انفرادی و اجتماعی ذمّہ داریاں کون کون سی ہیں؟
- دعوت و تبلیغ اور غلبۂ دین کی جدوجہد نفلی نیکی کے کام ہیں یا بنیادی فرائض میں شامل ہیں؟

ان موضوعات پر ایک مختصر لیکن نہایت جامع کتابچہ

دینی فرائض کا جامع تصوّر

از: ڈاکٹر اسرار احمد

عمدہ کمپیوٹر کتابت ● صفحات ۴۰ ● قیمت: اشاعت خاص ۸/- اشاعت عام ۴/-

شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن ۳۶۔کے ماڈل ٹاؤن، لاہور

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا
(البقرہ : ۲۶۹)

ماھنامہ

حکمتِ قرآن

لاھور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ، مرحوم
مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد، ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی
معاون: حافظ عاکف سعید، ایم اے (فلسفہ)
ادارہ تحریر: حافظ خالد محمود خضر، پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی

جلد ۱۷ | شعبان المعظم ۱۴۱۹ھ — دسمبر ۱۹۹۸ء | شمارہ ۱۲

— یکے از مطبوعات —
مرکزی انجمن خدام القرآن لاھور
۳۶۔ کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاھور ۱۴۔ فون: ۵۸۶۹۵۰۱
کراچی آفس: داؤد منزل متصل شادی ہال۔ شاہراہِ لیاقت کراچی فون: ۲۱۶۵۸۶

سالانہ زرِ تعاون: -/۸۰ روپے، فی شمارہ -/۸ روپے
مطبع: آفتاب عالم پریس، ہسپتال روڈ لاہور

رمضان المبارک کی آمد پر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خطبہ

عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اٰخِرِ يَوْمٍ مِّنْ شَعْبَانَ فَقَالَ: "يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيْمٌ شَهْرٌ مُّبَارَكٌ شَهْرٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ جَعَلَ اللهُ صِيَامَهٗ فَرِيْضَةً وَقِيَامَ لَيْلِهٖ تَطَوُّعًا۔ مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِّنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ وَشَهْرٌ يُّزَادُ فِيْهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ۔ مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ صَائِمًا كَانَ لَهٗ مَغْفِرَةً لِّذُنُوْبِهٖ وَعِتْقَ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْءٌ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ لَيْسَ كُلُّنَا يَجِدُ مَا يُفَطِّرُ بِهِ الصَّائِمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِي اللهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى مَذْقَةِ لَبَنٍ اَوْ شَرْبَةٍ مِّنْ مَّاءٍ وَّمَنْ اَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللهُ مِنْ حَوْضِيْ شَرْبَةً لَّا يَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَّاَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَّاٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ وَمَنْ خَفَّفَ عَنْ مَّمْلُوْكِهٖ فِيْهِ غَفَرَ اللهُ لَهٗ وَاَعْتَقَهٗ مِنَ النَّارِ۔

(رواہ البیہقی۔ فی شعب الایمان)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ماہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک خطبہ دیا۔ اس میں آپؐ نے فرمایا:

"اے لوگو! تم پر ایک عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے۔ اس مبارک مہینہ کی ایک رات (شب قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس مہینے کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کیے ہیں اور اس کی راتوں میں بارگاہِ خداوندی میں کھڑا ہونے (یعنی نمازِ تراویح پڑھنے) کو نفل عبادت مقرر کیا ہے (جس کا بہت بڑا ثواب رکھا ہے) جو شخص اس مہینے میں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے کوئی غیر فرض عبادت (یعنی سُنّت یا نفل) ادا کرے گا تو اس کو دوسرے زمانہ کے فرضوں کے برابر اس کا ثواب ملے گا اور اس مہینہ میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے زمانہ کے ستر فرضوں کے برابر ملے گا۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنّت ہے۔ یہ ہمدردی اور غم خواری کا مہینہ ہے اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مومن بندوں کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ جس نے اس میں کسی روزہ دار کو (اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لیے) افطار کرایا، تو اس کے گناہوں کی مغفرت اور آتشِ دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا، بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔ آپؐ سے عرض کیا گیا کہ: یا رسُول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان حاصل نہیں ہوتا تو کیا غرباء اس ثواب سے محروم رہیں گے؟ آپؐ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو دُودھ کی تھوڑی سی لسّی پر یا صرف پانی ہی کے ایک گھونٹ پر کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرا دے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے آگے فرمایا کہ) اور جو کوئی کسی روزہ دار کو پورا کھانا کھلا دے، اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض (یعنی کوثر) سے ایسا سیراب کرے گا جس کے بعد اس کو کبھی پیاس ہی نہیں لگے گی تا آنکہ وہ جنّت میں پہنچ جائے گا۔ (اس کے بعد آپؐ نے فرمایا) اس ماہِ مبارک کا ابتدائی حصّہ رحمت ہے اور درمیانی حصّہ مغفرت ہے۔ اور آخری حصّہ آتشِ دوزخ سے آزادی ہے۔ (اس کے بعد آپؐ نے فرمایا) اور جو آدمی اس مہینے میں اپنے غلام و خادم کے کام میں تخفیف و کمی کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا اور اس کو دوزخ سے رہائی اور آزادی دے دے گا۔"

(ترجمہ ماخوذ از معارف الحدیث، مولانا محمد منظور نعمانی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرفِ اول

رمضان اور قرآن

ماہِ رمضان کی آمد آمد ہے۔ آنحضور ﷺ نے اس مہینے کو "شَھْرُ اللّٰہِ" قرار دیا ہے' کہ یوں تو تمام مہینے اللہ ہی کے لئے ہیں لیکن رمضان کا معاملہ خصوصی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے خاص اپنا مہینہ قرار دیا۔ ماہ رمضان کے اس امتیازی مقام کا سبب خود اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ میں معین فرما دیا ہے کہ : ﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ ﴾ "رمضان کا مہینہ وہ ہے کہ جس میں قرآن نازل کیا گیا"۔ معلوم ہوا کہ ماہ رمضان کی فضیلت کی اصل بنیاد نزول قرآن ہے۔ اسی نسبت سے وہ رات کہ جس میں قرآن کا نزول ہوا' یعنی لیلۃ القدر' وہ ہزار مہینوں سے افضل قرار پائی۔

روزے کی عبادت کے لئے نزول قرآن کے مہینے کا انتخاب نہایت معنی خیز ہے۔ روزہ روحانی بالیدگی کا ذریعہ ہے اور تلاوتِ قرآن روح کے لئے تغذیہ و تقویت کا باعث ہے۔ روزے کی حالت میں ایک بندۂ مومن اللہ کی رضا کی خاطر جسمانی تقاضوں یعنی بھوک اور شہوت پر بندش عائد کرتا ہے جس کے نتیجے میں روح پر جسد کی گرفت کمزور پڑتی ہے اور گویا روح کو سانس لینے کا موقع ملتا ہے۔ پھر رات کے وقت قیام اللیل (یعنی تلاوت یا استماع قرآن) کے ذریعے روح پر انوارِ قرآنی کی بارش ہوتی ہے اور قرآن کے فیضان کے نتیجے میں روح میں حیاتِ نو پیدا ہوتی ہے اور اس طرح دن کا روزہ اور رات کا قیام بالقرآن' دونوں مل کر ایک عظیم مقصد کی تکمیل کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ متعدد احادیث میں ان دونوں چیزوں کو بڑی خوبصورتی سے جمع کیا گیا ہے' جس سے اس امر کی رہنمائی ملتی ہے کہ یہ دونوں چیزیں یعنی دن کا روزہ اور رات کا قیام' رمضان کے دو متوازی پروگرام ہیں اور ماہ رمضان کی برکات سے پورے طور پر فیض یاب ہونے کے لئے دونوں کا اہتمام لازمی ہے۔ اس ضمن میں ایک حدیث جو متفق علیہ ہے بطورِ تحفہ پیش خدمت ہے :

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ' وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ' وَمَنْ قَامَ لَیْلَةَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ))

"جس نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے اور جو رمضان (کی راتوں) میں کھڑا رہا

(باقی صفحہ ۹ پر)

ڈاکٹر اسرار احمد

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ (۲۷)

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم - بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ○ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ○ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ○ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ○ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ○ ﴾ (الذّٰریٰت : ۳۱-۳۵)

قرآن مجید کا ستائیسواں پارہ "قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ" کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے اور اسی نام سے موسوم ہے۔ اس میں اولاً "سورۃ الذاریات" کا نصفِ ثانی شامل ہے۔ پھر یکے بعد دیگرے سورۃ الطور، سورۃ النجم، سورۃ القمر، سورۃ الرحمٰن، سورۃ الواقعہ اور آخر میں سورۃ الحدید ہے۔ سورۃ الذاریات کا جو حصہ اس پارے میں شامل ہے اس کی اہم ترین آیت ہے : ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ○ ﴾ (آیت ۵۶) "میں نے انسانوں اور جنّوں کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں"۔ یعنی میری بندگی کریں، میری پرستش کریں، میری اطاعت کریں، میری غلامی اختیار کریں۔ یہ اس دنیاوی زندگی کا مآل، اس کا اصل مقصد اور اس کی اصل غایت ہے۔ اسی مضمون کو شیخ سعدیؒ نے نہایت سادہ الفاظ میں بیان کیا ہے ؎

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی!

اس کے بعد سورۃ الطور آتی ہے۔ اس سورۂ مبارکہ میں ایک بہت اہم آیت

وارد ہوئی ہے جو منکرینِ خدا کے لئے ایک مُسکِت دلیل ہے' فرمایا : ﴿ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ ۝ ﴾ (آیت ۳۵) "(یہ لوگ ذرا یہ تو سوچیں کہ) یہ بغیر کسی کے پیدا کئے پیدا ہو گئے یا انہوں نے خود اپنے آپ کو پیدا کیا؟" ظاہر بات ہے کہ ان دونوں چیزوں میں سے کوئی چیز بھی ممکن نہیں ہے۔ نہ عقلِ سلیم اسے تسلیم کرے گی' نہ کوئی بقائمی ہوش و حواس اس بات کا مدّعی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنا خالق خود ہے' نہ یہ بات عقلِ انسانی باور کر سکتی ہے کہ کوئی بغیر کسی کے پیدا کئے پیدا ہو جائے۔ لامحالہ تیسری بات ہے اور وہ یہ کہ اللہ ہم سب کا خالق ہے۔

اس کے بعد سورۃ النجم آتی ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کے آغاز میں رسولِ اکرم ﷺ کے بارے میں ایک بہت اہم بات ارشاد ہوئی ہے : ﴿ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝ ﴾ (آیات ۳'۴) "وہ اپنی خواہشِ نفس سے کلام نہیں فرماتے بلکہ جو بات فرماتے ہیں اللہ کی وحی کی بنیاد پر فرماتے ہیں"۔ معلوم ہوا کہ جس طرح نبی اکرم ﷺ کا ہر عمل اُمّت کے لئے واجب الاتّباع ہے اسی طرح آپ ﷺ کا ہر فرمان' خواہ وہ وحی جلی پر مبنی ہو خواہ وحی خفی پر' اُمت کے لئے واجب الاتباع ہے۔ اس لئے کہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی گفتگو اور آپؐ کے فرمودات کا منبع و سرچشمہ آپؐ کی لفّاظی نہیں بلکہ وحی الٰہی ہے۔ سورۃ النجم میں معراج کے آسمانی مرحلہ کا بھی ذکر ہوا۔ چنانچہ "سدرۃ المنتہیٰ" کے پاس نبی اکرم ﷺ کو جو مشاہدات ہوئے ان الفاظ کا ذکر بایں الفاظ ہوا : ﴿ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی ۝ اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ۝ ﴾ (آیات ۱۴ تا ۱۸) سدرۃ المنتہیٰ پر اللہ کے اُن انوار کی بارش ہو رہی تھی جن کے بارے میں نطقِ انسانی کچھ کہنے سے قاصر ہے' اس لئے فرمایا گیا کہ : ﴿ اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی ﴾ "جب چھا رہا تھا سدرہ پر جو چھا رہا تھا"۔ اُس وقت نبی اکرم ﷺ کے مشاہدہ کی شان یہ تھی کہ "نہ نگاہ کج ہوئی نہ حدِ ادب سے تجاوز کیا۔ اس لئے کہ آپؐ نے مشاہدہ کیا اپنے رب کی عظیم آیات کا"۔

سورۃ النجم میں یہ بات بڑی تاکید کے ساتھ آئی کہ انسان کو اپنا بوجھ خود اٹھانا ہے ﴿ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ○ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ○ وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی ○ ﴾ (آیات ۳۸ تا ۴۰) "کہ نہیں اٹھاتا کوئی اٹھانے والا بوجھ کسی دوسرے کا۔ انسان کیلئے وہی کچھ ہے جس کیلئے اس نے محنت کی۔ اور اس کی محنت اس کے سامنے لائی جائے گی"۔ اللہ تعالیٰ اس کی محنت کو ضائع کرنے والا نہیں ہے۔

اس کے بعد سورۃ القمر آتی ہے۔ اس میں متعدّد بار اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی عظمت بیان فرماتے ہیں اور گویا کہ انسان پر حجت قائم کر رہے ہیں ﴿ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ ﴾ "ہم نے قرآن کو یاد دہانی کے لئے (نصیحت اخذ کرنے کے لئے' ہدایت اور راہنمائی حاصل کرنے کے لئے) انتہائی آسان بنا دیا ہے۔ تو ہے کوئی جو اس سے نصیحت اخذ کرے (اور اس کی راہنمائی سے فائدہ اٹھائے؟)"۔

سورۃ القمر کے بعد سورۃ الرحمٰن آتی ہے جس کو نبی اکرم ﷺ نے قرآن کی دلہن قرار دیا ہے۔ اس کے بالکل آغاز میں قرآن مجید کی عظمت کا بیان ہے : ﴿ اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ○ ﴾ اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمانی کا سب سے بڑا مظہر قرآن مجید ہے۔ ﴿ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ○ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ﴾ اللہ نے انسان کو پیدا کیا' اسے اشرف المخلوقات بنایا اور اسے بیان کی قوت یعنی قوتِ نطق و گویائی عطا فرمائی۔ ان چاروں آیتوں کو اگر جمع کر لیا جائے تو ان کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ جسے بھی اللہ نے قوتِ گویائی عطا فرمائی ہو اور جسے بھی کچھ قادر الکلامی عطا فرمائی ہو اسے اپنی اس قوت اور اپنے اس وصف کا بہترین مصرف اسی قرآن کو بنانا چاہئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا : ((خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَ عَلَّمَهٗ)) (حدیث) "تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں" چنانچہ انسان کی قوتِ بیانیہ کا اس سے بہتر مصرف اور کوئی نہیں کہ وہ قرآن کو سمجھے اور اس کو بیان کرے۔ سورۃ الرحمٰن میں بار بار الفاظ آتے ہیں ﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○ ﴾

اے انسانو اور اے جِنّو! جن کے بارے میں سورۃ الذاریات میں فرمایا گیا کہ تمہیں پیدا ہی عبادتِ رب کیلئے کیا گیا ہے' تم اللہ کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے؟ سورۃ الرحمٰن اللہ کی نعمتوں کے حوالے سے نصیحت اور یاد دہانی کی کوشش کی ایک بڑی ہی حسین مثال ہے۔ اس لئے اس میں یہ الفاظ بار بار اور بتکرار واعادہ وارد ہوئے۔

اس کے بعد سورۃ الواقعہ ہے۔ اس میں انجامِ کار کے اعتبار سے تین قسم کے لوگوں کا ذکر ہے۔ ایک تو مقربینِ بارگاہِ ربّانی ہیں' ان کا تو عالم یہ ہے کہ وہ اللہ کی رحمتوں میں ہوں گے ﴿ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ۝ ﴾ (الواقعہ : ۸۹) پھلوں اور پھولوں میں ہوں گے' نعمتوں والی جنت میں وہ رہیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ایک دوسری جماعت بھی ہے جو اس درجہ کی تو نہیں مگر وہ بھی کچھ کم مرتبہ کی مالک نہ ہوگی' وہ ہے اصحاب الیمین کی جماعت۔ ﴿ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝ ﴾ (آیت ۹۱) ان کے لئے بھی سلامتی اور خیر ہے اور ان کے لئے رب کی نعمتیں ہیں۔ لیکن ایک تیسری جماعت ہے' یہ اصحاب الشمال کی جماعت ہے جو مکذّبین ہیں اور الضّالّین ہیں۔ گم کردہ راہ' بھٹکے ہوئے' جھٹلائے ہوئے۔ ان کا انجام ہوگا : ﴿ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ۝ وَتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ۝ ﴾ (آیات ۹۳'۹۴) انتہائی کھولتے ہوئے پانی سے ان کی ضیافت کی جائے گی اور انہیں جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ ﴿ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ۝ ﴾ (آیت ۹۵) اور اے لوگو! یہ باتیں خالی خولی دھمکیاں نہیں ہیں۔ یہ یقین کے لئے ہیں' یہ یقین کی مستحق ہیں۔ یہ ایسی باتیں ہیں جو قطعی حق ہیں اور جھوٹ نہیں ہیں۔

اس کے بعد آتی ہے قرآن حکیم کی انتہائی عظیم سورہ' سورۃ الحدید جس سے مدنی سورتوں کا ایک سلسلہ شروع ہوتا ہے جو اٹھائیسویں پارے کے اختتام تک چلا گیا ہے۔ اس سلسلۂ "مُسَبِّحات" کی یہ جامع ترین سورۃ بھی ہے اور اس کا نقطۂ آغاز بھی ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کی ابتدائی چھ آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا بیان انتہائی جامعیت کے ساتھ اور اعلیٰ ترین عقلی سطح پر ہوا ہے۔ اس کے بعد دین

کے تقاضے دو الفاظ میں بیان ہو گئے : ﴿ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ﴾ (آیت ۷) ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے رسول ﷺ پر اور جس جس چیز میں اللہ نے تمہیں خلافت عطا فرمائی، دنیا میں جو جو تمہیں عطا کیا ہے، جس جس چیز میں اختیار بخشا ہے، جس جس چیز کو تمہاری ملکیت میں دے دیا ہے، اسے اللہ کی راہ میں لگا دو اور کھپا دو۔ یہ ہے دین کا تقاضا انتہائی مختصر الفاظ میں۔ اگر اس سے کنی کتراؤ گے، اگر اس سے جی چراؤ گے تو جان لو کہ پھر تمہاری منزل منافقت اور نفاق ہے، اور نفاق انتہائی دردناک انجام تک پہنچا دینے والی چیز ہے۔ منافق دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ شمار ہوتا ہے لیکن اخروی انجام کے اعتبار سے وہ کافروں کے ساتھ ہو گا۔ چنانچہ انتہائی حسرت ناک نقشہ کھینچا گیا ہے کہ جب قیامت میں اہل ایمان اور منافقین کو جدا کر دیا جائے گا اور ان کے مابین فصیل حائل کر دی جائے گی تو منافق پکار کر کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ تو اہلِ ایمان جواب دیں گے : ﴿ وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ ﴾ (آیت ۱۴) تم نے اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں فتنوں میں ڈالا۔ تم دنیا کی محبت میں گرفتار ہو کر رہ گئے اور پھر تم شکوک و شبہات میں مبتلا ہو کر رہ گئے۔ پھر تم گومگو کی کیفیت سے دوچار ہو گئے کہ اللہ کے دین کے لئے سرفروشی اور جانفشانی کریں یا نہ کریں، قدم بڑھائیں یا نہ بڑھائیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج یہاں تمہارا کوئی مددگار نہیں، آج تمہارا انجام کُفّار کے ساتھ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس انجامِ بد سے بچائے اور دین کے تقاضوں کو کماحقہ، ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

واٰخر دعوانا ان الحمدُ للّٰہ ربِّ العالمین ○○

بقیہ : **حرف اول**

(قرآن سننے اور سنانے کے لئے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کی بھی سابقہ تمام خطائیں بخش دی گئیں۔ اور جو لیلۃ القدر میں کھڑا رہا (قرآن سننے اور سنانے کے لئے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کی بھی سابقہ تمام خطائیں بخش دی گئیں"۔ (بخاری و مسلم عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

دروس ۱۳

اسلام کا معاشرتی اور سماجی نظام

سورۂ بنی اسرائیل کی آیات ۲۳ تا ۴۰ کی روشنی میں

(۱)

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ ..... اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِیْمًا ۝ ﴾ (آیات ۲۳-۴۰)

مطالعۂ قرآن حکیم کے جس منتخب نصاب کا درس ان مجالس میں ہو رہا ہے اس کا تیرھواں سبق سورۂ بنی اسرائیل کی آیات ۲۳ تا ۴۰ پر مشتمل ہے۔ یہ آیاتِ مبارکہ اس سورۃ کے تیسرے اور چوتھے رکوع پر مشتمل ہیں۔ اس سبق کا عنوان یا موضوع ہے "اسلام کا معاشرتی اور سماجی نظام۔"

سابقہ مباحث سے ربط و تعلق

اس درس پر گفتگو کے آغاز سے قبل اگر ہم ان مضامین کا مختصر طور پر اعادہ کر لیں جو اس سے پہلے دروس میں بیان ہو چکے ہیں تو مباحث کی کڑیاں جوڑنے میں آسانی ہو گی۔ مطالعۂ قرآن حکیم کے اس منتخب نصاب کا پہلا حصہ چار جامع اسباق پر مشتمل تھا' جن میں اُخروی نجات کے چار ناگزیر لوازم یعنی ایمان' عمل صالح' تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کا بیان تھا۔ دوسرے حصے میں پانچ سبق تھے جن کا مرکزی موضوع "ایمان" تھا۔ تیسرے حصے میں "عملِ صالح" کی تشریح و توضیح چل رہی ہے۔ یعنی اس حصہ میں قرآنی تعلیمات کے عملی پہلو کا بیان ہو رہا ہے۔ اس ضمن میں سب سے پہلے ہم نے یہ دیکھنے کی کوشش کی

کہ انفرادی طور پر ایک بندۂ مومن کی سیرت و کردار میں اللہ تعالیٰ کو کون سے اوصاف محبوب ہیں۔ اس کے لئے ہم نے سورۃ المومنون کی ابتدائی آیات اور سورۃ المعارج کی ہم مضمون آیات کے حوالے سے یہ سمجھا کہ انفرادی سیرت کی تعمیر کے ضمن میں قرآن مجید کیا اصول بیان کرتا ہے اور اس کی کیا اساسات معین کرتا ہے۔ پھر سورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں ہم نے پوری طرح تعمیر شدہ شخصیت یعنی علامہ اقبال کے "مردِ مومن" اور قرآن مجید کی اصطلاح میں "عباد الرحمٰن" کی سیرت و کردار کے خد و خال کا مطالعہ کیا۔ اس کے بعد انفرادیت سے اجتماعیت کی طرف پہلے قدم یعنی خاندانی زندگی اور عائلی زندگی کے ضمن میں ہم نے پوری سورۃ التحریم کا مطالعہ کیا۔

اب ہم ایک قدم اور آگے بڑھ رہے ہیں۔ خاندانوں سے معاشرہ وجود میں آتا ہے جسے ہم سماج سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ اب ہمیں دیکھنا ہے کہ اس معاشرے کے ضمن میں قرآن مجید ہماری کیا رہنمائی کرتا ہے! بالفاظِ دیگر یوں سمجھئے کہ قرآن مجید کی رُو سے وہ سماجی و معاشرتی اقدار (Soicial Values) کونسی ہیں جنہیں اسلام پسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ ان کی ترویج و تنفیذ ہو' انہیں معاشرے میں رائج کیا جائے اور اس کے برعکس وہ سماجی برائیاں (Social Evils) کونسی ہیں کہ جنہیں اسلام ناپسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ ان کو معاشرے سے بیخ و بُن سے اُکھاڑ پھینکا جائے' ان کا استیصال ہو' ان کو معاشرے میں پنپنے نہ دیا جائے۔ یہ مضامین ہیں جو ان اٹھارہ آیات میں ہمارے سامنے آ رہے ہیں۔

تورات کے "احکامِ عشرہ" کا خلاصہ

یہ بات بھی پیشِ نظر رہنی چاہئے کہ سورۂ بنی اسرائیل قرآن مجید کے قریباً وسط میں وارد ہوئی ہے۔ پندرھویں پارے کا آغاز اسی سورۂ مبارکہ سے ہوتا ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کے ابتداء اور اختتام پر بنی اسرائیل کی تاریخ کے اہم واقعات کا خلاصہ ہے اور درمیان میں یعنی تیسرے اور چوتھے رکوع میں تورات کی تعلیمات کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ حبرُ الاُمت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں

تورات کے احکامِ عشرہ (Ten Commandments) کا خلاصہ اور نچوڑ بیان کر دیا گیا ہے۔

اسلامی حکومت کے لئے رسول اللہ ﷺ کا منشور

زمانۂ نزول کے اعتبار سے سورۂ بنی اسرائیل مکّی دور کے آخری زمانے میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے ـــــ چنانچہ اس کی پہلی آیت میں واقعۂ معراج کا ذکر ہے ﴿ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ ﴾ یعنی "پاک ہے وہ جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک، جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی ہے"۔ درمیان میں بھی ایک مقام پر معراج کے واقعہ کا تذکرہ ہے۔ معراج ۱۳ نبوی میں ہوا۔ لہٰذا یہی اس سورۂ مبارکہ کا زمانہ نزول ہے گویا کہ ہجرت سے متصلاً قبل۔

مکہ میں مسلمان کمزور تھے، وہاں کفر کا پوری طرح غلبہ تھا، لیکن ہجرت کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مدینہ منورہ میں ایک آزاد اسلامی معاشرہ وجود میں آنے والا تھا یا یوں کہئے کہ ایک اسلامی حکومت قائم ہونے والی تھی، جہاں مسلمان اپنی آزادی اور اختیار سے جن چیزوں کو چاہیں رائج کریں، ان کی تنفیذ کریں، انہیں promote کریں اور جن جن چیزوں کو چاہیں ان کو روکیں، ان کو مٹائیں اور ان کا استیصال کریں۔ اس اعتبار سے جدید اصطلاح میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان آیاتِ مبارکہ میں جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا منشور (Manifesto) بیان ہو رہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ حضورؐ کو غلبہ عطا فرمائے تو اسلامی ریاست میں آپؐ کی ترجیحات کیا ہوں گی۔ جیسا کہ سورۃ الحج میں وارد ہوا: ﴿ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ﴾ (آیت ۴۱) "وہ لوگ جنہیں اگر ہم زمین میں غلبہ عطا فرمائیں تو وہ نظامِ صلوٰۃ قائم کریں گے، نظامِ زکوٰۃ قائم کریں گے، نیکیوں کا حکم دیں گے اور بدیوں سے روکیں گے"۔ گویا یہ اسی آیت کی شرح ہے جو سورۂ بنی اسرائیل کی زیر مطالعہ آیات میں ہمارے سامنے آ رہی ہے کہ وہ اوامر کون سے ہیں کہ جن کی وہاں ترویج

وتنفیذ ہو گی اور وہ نواہی کون سے ہیں جن کا اس معاشرے میں استیصال کیا جائے گا۔ اس اعتبار سے اس سبق کی بڑی اہمیت ہے کہ ہم اس کے متعلق کہہ سکتے ہیں کہ یہ اسلامی حکومت کے قیام کیلئے نبی اکرم ﷺ کا منشور ہے۔

آیاتِ مبارکہ کا مطالعہ

اب ہم ان آیاتِ مبارکہ کے متن کے ساتھ ساتھ ان کا ترجمہ کرتے ہیں تاکہ پہلے یک نظر ہمارے سامنے وہ مضامین آ جائیں جو ان آیاتِ مبارکہ میں آ رہے ہیں۔ پھر ان میں سے ایک ایک پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ گفتگو ہو گی۔

﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ ﴾

"اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ مت بندگی کرو کسی کی سوائے اس کے' اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔"

﴿ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ ﴾

"اگر پہنچ جائیں تمہارے پاس بڑھاپے کی عمر کو ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تو انہیں اُف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو اور ان سے نرمی اور ادب کے ساتھ بات کرو"

﴿ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ ﴾

"اور ان کے سامنے اپنے شانے نیازمندی اور ادب کے ساتھ جھکا کر رکھو اور یہ دعا کیا کرو کہ اے میرے رب ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے پالا پوسا جبکہ میں چھوٹا سا تھا۔"

﴿ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝ ﴾

"تمہارا رب خوب جانتا ہے جو کچھ کہ تمہارے جی میں ہے۔ اگر تم واقعتاً نیک ہوئے تو یقیناً اللہ تعالیٰ رجوع کرنے والوں کے حق میں بہت مغفرت کرنے والا'

بخشنے والا ہے"۔

﴿ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ ﴾

"اور رشتہ دار کو اس کا حق ادا کرو' اور محتاج اور مسافر کو بھی (اپنے مال میں سے دو) اور اپنی دولت کو نام و نمود اور نمائش کے لئے نہ اُڑاؤ"

﴿ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝ ﴾

"یقیناً جو لوگ اپنی دولت نمود و نمائش کے لئے اڑاتے ہیں' وہ شیطانوں کے بھائی ہیں' اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا (اور نافرمان) ہے"۔

﴿ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝ ﴾

"اور اگر تمہیں ان سے اعراض کرنا ہی پڑے' اس لئے کہ تم اللہ کی رحمت کے امیدوار ہو تو ان سے بات نرمی سے کرو"۔

﴿ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ ﴾

"اور اپنے ہاتھ کو نہ تو اپنی گردن کے ساتھ باندھ رکھو اور نہ اس کو بالکل ہی کھلا چھوڑ دو کہ پھر تمہیں بیٹھ رہنا پڑے ملامت زدہ ہو کر اور عاجز بن کر"۔

﴿ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝ ﴾

"یقیناً تیرا رب رزق کو کشادہ بھی کرتا ہے اور تنگ بھی کرتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے۔ وہ یقیناً اپنے بندوں کے حالات سے باخبر ہے اور انہیں دیکھ رہا ہے"۔

﴿ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ ﴾

"اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو' ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور خود تمہیں بھی' یقیناً ان کو قتل کرنا بہت بڑی خطا ہے"۔

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ ﴾

"اور زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو ـــــ یقیناً وہ بڑی بے حیائی اور بہت ہی گھناؤنا راستہ ہے"۔

﴿ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝ ﴾

"اور نہ قتل کرو کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ۔ اور جو کوئی مظلومانہ قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے ولی کو (قصاص کا) اختیار عطا فرمایا ہے' پس چاہئے کہ وہ قتل میں حد سے نہ بڑھے' یقیناً اس کی مدد کی جائے گی"۔

﴿ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝ ﴾

"اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ پھٹکو مگر بہترین طور پر تا آنکہ وہ بالغ ہو جائے' اور عہد کو پورا کرو' یقیناً عہد کے بارے میں بازپرس ہو گی"۔

﴿ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ ﴾

"اور جب ماپ کر دو تو پیمانہ پورا بھرو اور جب تولو تو سیدھی ڈنڈی کے ساتھ تولو' یہی عمدہ طرز عمل ہے اور انجام کار کے اعتبار سے بھی بہتر ہے"۔

﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ ﴾

"اور اس چیز کی پیروی مت کرو جس کے لئے تمہارے پاس کوئی علم نہیں ہے' یقیناً سماعت' بصارت اور قلب و ذہن کی جو استعدادات تمہیں عطا کی گئی ہیں ان کے بارے میں بازپرس ہو گی"۔

﴿ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝ ﴾

"اور زمین میں اکڑ کر مت چلو' یقیناً تم نہ تو زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ ہی اونچائی اور بلندی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتے ہو"۔

﴿ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۝ ﴾

"ان تمام باتوں میں جو برائی کے پہلو ہیں وہ تمہارے رب کو ناپسند ہیں"۔

﴿ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰۤى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ ﴾

"(اے نبی ﷺ) یہ ہیں وہ باتیں جو آپؐ کی جانب آپ کے رب کی طرف سے وحی کی گئی ہیں از قسمِ حکمت و دانائی۔ اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود مت ٹھہرا بیٹھنا کہ پھر جھونک دیئے جاؤ جہنم میں ملامت زدہ ہو کر دھکے دیئے جا کر"۔

﴿ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ۝ ﴾

"کیا تمہارے رب نے تمہیں تو چُن لیا ہے بیٹوں کے لئے اور خود ملائکہ کی صورت میں بیٹیاں اختیار کر لی ہیں؟ یقیناً تم ایک بہت بڑی بات کہہ رہے ہو۔"

قرآن میں مضامین کی تکرار اور اس کی حکمت

ان آیات کے ترجمے سے جو مضامین ہمارے سامنے آئے' ان میں سے اکثر مضامین اس سے قبل اس منتخب نصاب کے مختلف اسباق میں آ چکے ہیں۔ مثلاً شرک کی مذمت و ممانعت اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کا ذکر سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع میں بیان ہو چکا ہے۔ اقرباء' یتامیٰ اور مساکین کے ساتھ نیک سلوک اور ان کی احتیاجوں کے رفع کرنے میں اپنا مال خرچ کرنے کے مضامین آیۂ بر میں بھی آئے (جو ہمارا درس نمبر دو تھا) اور پھر سورۃ المعارج میں بھی یہ آیت وارد ہوئی : ﴿ وَفِىْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ ﴾ اسی طرح قتلِ ناحق کی مذمت و ممانعت سورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں آ چکی ہے۔ زنا کی شناعت کا ذکر بھی اسی سبق میں آ چکا ہے۔ ایفائے عہد کی تاکید آیۂ بر میں بھی آئی اور اس کا ذکر سورۃ المومنون اور سورۃ المعارج کی ہم مضمون آیات میں بھی آیا ہے۔ تکبر اور غرور کی مذمت اور تواضع' فروتنی اور حلم کی تلقین سورۂ لقمان کے سبق میں بھی آ چکی ہے اور یہی مضمون سورۃ الفرقان میں مثبت پیرائے میں بایں الفاظ آ چکا ہے ﴿ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا ﴾ یعنی "اللہ کے محبوب بندے

وہ ہیں جو زمین پر آہستگی اور فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں"۔

قرآن حکیم میں مضامین کی تکرار کے ضمن میں چند باتیں قابلِ توجّہ ہیں : قرآن مجید میں اگر مضامین کی تکرار ہوتی ہے تو اس سے اولاً تو اِن مضامین کی اہمیت کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے۔ ثانیاً تکرارِ محض کہیں نہیں ہوتی' تکرارِ محض کلام کا عیب شمار ہوتا ہے اور قرآن مجید اس عیب سے پاک ہے۔ اگر کہیں کوئی مضمون دوہرا کر آتا ہے تو اسلوب بدلا ہوا ہوتا ہے۔ وہی بات کہ ؏

اِک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں!

اس اندازِ بیان اور اسلوب کے فرق سے اس کلام کی دل نشینی' دل آویزی' اثر انگیزی اور اثر پذیری میں اضافہ ہوتا ہے۔ ثالثاً بعض مقامات پر ایسا ہوتا ہے کہ موضوع تو مشترک ہوتا ہے لیکن کہیں وہ انفرادی سیرت و کردار کے ضمن میں آرہا ہوتا ہے اور کہیں وہی بات معاشرتی اور سماجی اقدار کی حیثیت سے سامنے لائی جارہی ہوتی ہے۔ رابعاً جہاں بھی کوئی مضمون دوسری بار آتا ہے تو اگر اسے نظرِ غائر سے دیکھا جائے تو وہاں کوئی نہ کوئی نیا پہلو مل جاتا ہے۔ چنانچہ اگر قرآن مجید میں کہیں تکرار محسوس ہو تو آپ ان چاروں میں سے کسی نہ کسی ایک بات کو وہاں موجود پائیں گے۔

ان سب باتوں کو جمع کر کے سورۃ الزمر کی ایک آیت کی طرف اشارہ کر رہا ہوں جس میں قرآن مجید اپنا تعارف ان الفاظِ مبارکہ میں کراتا ہے ﴿كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ﴾ یعنی یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کے مضامین باہم مماثل ہیں اور دوہرا دوہرا کر آتے ہیں۔ بقول اقبال ؏

شاید کہ اُتر جائے تیرے دل میں مری بات!

اگر ایک انداز سے بات سمجھ میں نہیں آئی تو شاید دوسرے انداز سے سمجھ میں آجائے۔

زیرِ درس آیات کے متن اور ترجمہ سے ان آیاتِ مبارکہ کے مضامین کا ایک اجمالی نقشہ ہمارے سامنے آگیا ہے۔ اب ہم ان میں سے اہم نکات کے بارے میں کسی قدر تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

شرک کی مذمت اور ممانعت

سب سے پہلا نکتہ یہ ہے کہ ان آیات کے آغاز میں بھی شرک کی مذمت اور ممانعت ہے اور ان کا اختتام بھی اسی مضمون پر ہو رہا ہے۔ گویا وہ تمام اوصاف یا وہ تمام اَقدار جو اِن آیات میں بیان ہو رہی ہیں ان کے لئے توحیدِ باری تعالیٰ ایک حصار کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس طرح ہم نے سورۃ المومنون کی آیات میں دیکھا تھا کہ انفرادی سیرت کی تعمیر کے ضمن میں آغاز بھی نماز سے ہوا تھا ﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ○ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ○ ﴾ اور پھر اختتام بھی نماز کے ذکر پر ہوا تھا ﴿ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ○ ﴾ اور یہی اسلوب سورۃ المعارج کی ہم مضمون آیات میں ملاحظہ کیا تھا' بعینہٖ یہ بات ہمیں یہاں توحید کے بارے میں نظر آ رہی ہے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ چونکہ اسلام دینِ توحید ہے اور توحید کی ضد شرک ہے' لہٰذا اسلام جو بھی معاشرہ تشکیل دینا چاہتا ہے اس میں توحید کو مرکز کی حیثیت حاصل ہے اور شرک کا مکمل استیصال یعنی جہاں شرک کا شائبہ بھی نظر آئے اسے محو کرنا اس کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔ اس لئے کہ کوئی بھی معاشرہ اگر اپنے بنیادی نظریہ اور اپنے اساسی فکر کے خلاف کسی چیز کو در آنے کا موقع دے گا تو ظاہر بات ہے کہ اس سے اس معاشرے کی جڑیں کھوکھلی ہو جائیں گی۔ چنانچہ یہاں ابتداء میں فرمایا : ﴿ وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ ﴾ بڑا فیصلہ کُن انداز ہے کہ "تیرے رب نے طے فرما دیا ہے کہ مت بندگی کرو کسی کی سوائے اس کے"۔ ...اختتام پر بھی توحید ہی کا مضمون ہے' البتہ انداز مختلف ہے : ﴿ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ﴾ یعنی "اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہرا بیٹھنا"....بات ایک ہے لیکن اسلوب جُدا۔

یہ دونوں باتیں تو فی الحقیقت شرک فی العبادت کی نفی کر رہی ہیں' مگر دنیا میں شرک کی ایک اور قسم بھی موجود رہی ہے' جسے شرک فی الذات کہتے ہیں یعنی کسی کو خدا کا بیٹا یا بیٹی قرار دے دینا۔ جیسا کہ یہودیوں کے ایک گروہ نے حضرت عُزَیر علیہ السلام کو اور عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔ اسی طرح اہل عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں

قرار دیتے تھے۔ چنانچہ ان کے جتنے بُت تھے ان کے نام مؤنث ہیں' جیسے "لات" الٰہ کا مؤنث ہے' "العُزّیٰ" یہ العزیز کا مؤنث ہے اور "المنات" المنّان کا مؤنث ہے۔ انہوں نے فرشتوں کو اپنا معبود مانا اور ان کے بارے میں یہ سمجھا کہ یہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔ چنانچہ اس ضمن میں بڑے ہی لطیف پیرائے میں تنقید کی جارہی ہے کہ ہوش مندو! تم نے اللہ کو الاٹ بھی کیں تو بیٹیاں!! ﴿اَفَاَصْفٰکُمْ رَبُّکُمْ بِالْبَنِیْنَ﴾ "کیا تمہارے رب نے تم کو تو چن لیا ہے بیٹوں کے لئے؟" ﴿وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِکَةِ اِنَاثًا﴾ "اور اپنے لئے فرشتوں کی صورت میں بیٹیاں اختیار کرلیں!" ﴿اِنَّکُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِیْمًا﴾ "جان لو کہ یہ بات جو تم اپنی زبان سے نکال رہے ہو' یہ بہت بڑی بات ہے"۔ یہ اللہ کی جناب میں بہت بڑی جسارت ہے' بہت بڑی گستاخی ہے۔

حقوقِ والدین کی خصوصی اہمیت

دوسرا نکتہ ہے ﴿وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا﴾ یہ مضمون اس سے پہلے سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع میں بھی آچکا ہے ﴿وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ﴾ نیز قرآن مجید میں متعدد مقامات اور بھی ہیں کہ جہاں اللہ تعالیٰ کے حقوق کے فوراً بعد والدین کے حقوق کا ذکر ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اس مضمون کی خصوصی اہمیت کیا ہے؟ اگر آپ ذرا غور کریں گے تو یہ بات صاف نظر آئے گی کہ جسے ہم معاشرہ یا سماج کہتے ہیں وہ خاندانوں کا اجتماع ہے' بہت سے خاندان مل کر معاشرے کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ گویا معاشرے کی اکائی خاندان ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اگر خاندان مستحکم ہوگا' اس کا نظام مضبوط ہوگا تو پورا معاشرہ بھی مستحکم ہوگا اور اگر خاندان کمزور پڑ جائے تو پورے معاشرے میں بھی اضمحلال اور فساد رُونما ہوگا۔ اس لئے کہ اگر اینٹیں کچی ہوں گی تو فصیل بھی کچی ہوگی اور اگر اینٹیں پکی ہوں اور ہر اینٹ اپنی جگہ مضبوطی سے جمی ہوئی ہو تو فصیل بھی مضبوط ہو گی۔ ایک مشہور مفکر نے ایک بڑی عجیب بات کہی ہے کہ مختلف تہذیبوں اور تمدنوں کے مطالعے سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ کوئی تہذیب اور کوئی تمدن اُس وقت تک زوال سے دوچار نہیں ہوتا جب تک اس میں خاندان کا ادارہ کمزور نہ پڑ جائے۔ یہ گویا تہذیب

وتمدن کے اضمحلال اور زوال کا نقطۂ آغاز ہے۔

اب اگر ہم غور کریں تو خاندان کے ادارے کے تین اہم گوشے ہیں۔ ایک گوشہ شوہر اور بیوی کے باہمی ربط و تعلق کا ہے' دوسرا گوشہ والدین اور اولاد کے باہمی ربط و تعلق کا ہے اور تیسرا گوشہ بہنوں اور بھائیوں کے درمیان رشتۂ اخوت سے متعلق ہے۔ خاندان کے ادارے کے اِن اَبعادِ ثلاثہ (Three Dimensions) کے مابین صحیح توازن قائم رہے گا تو خاندان کا نظام مستحکم ہو گا۔ جہاں تک شوہر اور بیوی کے باہمی تعلق کا معاملہ ہے اس موضوع پر ہم سورۃ التحریم میں قرآن مجید کی بنیادی رہنمائی قدرے تفصیل کے ساتھ دیکھ چکے ہیں۔

اب یہاں یہ سمجھئے کہ اگر کسی معاشرے میں والدین سے بے زخی عام ہو جائے تو یہ خاندانی نظام کو مضمحل کرنے کا ایک بہت بڑا سبب ہو گا۔ اگر والدین کو یہ اعتماد نہ ہو کہ بڑھاپے میں ہماری اولاد ہمارا سہارا بنے گی تو ان میں بھی خود غرضی پیدا ہو سکتی ہے۔ پھر وہ بھی اپنے آپ کو اولاد میں کلیتاً invest کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوں گے اور اپنے مستقبل کے لئے کچھ بچا بچا کر رکھیں گے۔ لیکن اگر کسی معاشرے میں یہ قدر (Value) موجود ہے کہ بوڑھے والدین کی اولاد اُن کا سہارا بنتی ہے' ان کی ذمہ داریوں کو پوری طرح نباہتی اور ادا کرتی ہے تو والدین بھی اپنی جوانی کے دور کی ساری توانائیاں اپنی اولاد پر کھپاتے اور invest کرتے ہیں۔ ہمارے یہاں آج بھی الحمدللہ یہ رنگ بڑی حد تک موجود ہے۔ لیکن اس کے بالکل برعکس صورت حال دیکھنا چاہیں تو آپ یورپ اور امریکہ جا کر وہاں کے معاشروں کا مشاہدہ کیجئے۔ وہاں موجودہ دور میں بڑھاپا سب سے بڑی لعنت سمجھی جاتی ہے۔ اگرچہ وہاں حکومت کی سطح پر بوڑھوں کے لئے ادارے قائم ہیں' ان کی دیکھ بھال ہو رہی ہے' لیکن وہ جو محبت کی پیاس ہوتی ہے اس پیاس کی تسکین کا ان اداروں میں کوئی سامان نہیں ہے۔ وہ اپنی اولاد کو دیکھنے تک کے لئے تڑپتے رہتے ہیں۔ ان ممالک میں کرسمس کی اہمیت اب یہ رہ گئی ہے کہ بوڑھے والدین ان اداروں میں اپنے دل میں یہ تمنا اور توقع لئے منتظر رہتے ہیں کہ شاید اس کرسمس پر ہمارے بچے ہم سے ملنے آئیں اور اس موقع پر ہم اپنی اولاد کی شکل دیکھ سکیں۔

اس کے برعکس نظام ہے جو اسلام نے دنیا کو دیا ہے۔ اس میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کو اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ قرآن مجید میں اکثر مقامات پر اللہ کے حقوق کے متصلاً بعد والدین کے حقوق کا ذکر ہوتا ہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا' قرآن حکیم میں تکرارِ محض کہیں نہیں ہوتی۔ سورۂ لقمان میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب دیتے ہوئے والدہ کا ذکر بطورِ خاص کیا گیا تھا ﴿حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ﴾ اور یہاں ضعیفی کی وہ عمر خاص طور پر پیش نظر ہے جس کو قرآن مجید میں ارذل العمر قرار دیا گیا ہے' یعنی عمر کا وہ حصہ جو بڑا ہی کمزوری اور بے چارگی والا حصہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے خود عمر کے اس حصے سے اللہ کی پناہ طلب کی ہے۔ عمر کے اس حصے میں ایک تو بوڑھے والدین کے احساسات زیادہ نازک ہو جاتے ہیں۔ دوسرے اکثر و بیشتر ان کے فہم میں بھی کمی آ جاتی ہے۔ جیسے سورۂ یٰسین میں فرمایا : ﴿وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ﴾ ان کی ذہنی توانائیاں پہلی سی نہیں رہتیں اور ان کے فہم و فکر میں اضمحلال واقع ہو جاتا ہے۔ بہت سے لوگوں کا مشاہدہ ہو گا کہ بڑھاپے میں انسان میں بچپن کی سی خواہشات عود کر آتی ہیں اور وہ کچھ اسی طرح کی فرمائشیں کرنے لگتا ہے۔ ان حالات میں واقعہ یہ ہے کہ اولاد کے لئے بڑی سخت آزمائش ہوتی ہے۔ وہ ان کی سب فرمائشیں پوری بھی نہیں کر سکتے' کہیں نہ کہیں روک لگانی پڑے گی' ان کی بات رد کرنا پڑے گی۔ اس کے پیش نظر یہاں حکم دیا جا رہا ہے کہ ان سے جب بھی بات کرو تو نرمی اور ادب کو بہرحال ملحوظ رکھو۔ سینہ تان کر بات نہ کرو' انہیں جھڑکو مت' ملامت نہ کرو۔ اور اگر ان کی کسی بات کو پورا نہیں کر سکتے ہو تو نرمی کے ساتھ معذرت کرو۔ ساتھ ہی یہ بھی کہ ان کے سامنے اپنے شانے جھکا کر رکھو۔ انہیں یہ احساس نہ ہو کہ آج یہ مجھ سے سینہ تان کر بات کر رہا ہے درانحالیکہ یہ کبھی اس حال میں تھا کہ اس کا وجود بھی ہمارا مرہونِ منت تھا' اس کی پرورش ہمارے ذمہ تھی اور ہم اپنا پیٹ کاٹ کر اس کی ضروریات کو مقدم رکھتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی فرما دیا کہ اللہ سے بھی دعا کرتے رہا کرو کہ پروردگار' مجھ سے اگر کوئی کوتاہی ہو ہی جائے تو تُو بخشنے والا ہے۔ اور والدین کے تمام حقوق میں خود ادا کر بھی نہیں سکتا' ان کے احسانات کا جو بارِ گراں میرے کاندھوں پر ہے ان کا حساب میں نہیں چکا سکتا لہٰذا تجھ ہی

سے استدعا کر رہا ہوں : ﴿ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا ﴾ "پروردگار! تُو اِن پر رحم فرما جیسے انہوں نے مجھے پالا پوسا جبکہ میں چھوٹا تھا"۔

ساتھ ہی یہ تسلی بھی دے دی کہ اگر استثنائی حالات میں کبھی تمہیں ان کی بات کو رد کرنا پڑ جائے تو ایک سعادت مند بیٹے پر اس کا جو احساس طاری ہو گا اور جو کوفت اسے ہو گی اس کے ازالے کے لئے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں' تمہارا رب صرف ظاہر کو نہیں جانتا بلکہ وہ تو اسے بھی جانتا ہے جو تمہارے جی میں ہے ﴿ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ ﴾ تم نے اگر کسی وقت اپنے والدین کی فرمائش کو رد کیا ہے تو تمہاری کیا مجبوری ہے' تمہارے کیا حالات ہیں' تمہارا رب خوب جانتا ہے۔ اگر تم اپنی قلبی کیفیت کے اعتبار سے درست ہو اور نیک نیت ہو تو اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کی مغفرت فرمانے والا ہے : ﴿ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝ ﴾

رشتہ دار' مسکین اور مسافر کا حق

اب تیسرے نکتے کی طرف آیئے۔ ویسے یہ مضمون بھی اس سے پہلے آ چکا ہے' لیکن یہاں ایک نئی شان سے آ رہا ہے' فرمایا : ﴿ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ﴾ دیکھئے' یہ بڑی فطری ترتیب ہے۔ خاندان کے ادارے کو مستحکم کرنے کے بعد اب انسان کے حسن سلوک کا دائرہ بڑھنا چاہئے اور ظاہر بات ہے کہ "اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ" کے اصول کے مطابق جو سب سے قریب ہے وہ سب سے پہلے حسنِ سلوک کا مستحق ہے۔ یعنی جو فطری طور پر مقدم ہے اسی کو مقدم رکھنا ہو گا۔ پس جو قرابت دار اور رشتہ دار ہیں ان کا حق حسن سلوک میں فائق اور مقدم رہے گا۔ پھر اس دائرے میں معاشرے کے محروم افراد کو شامل کرنا ہو گا' جن میں مساکین' مجبور' یتیم اور مسافر سبھی شامل ہیں۔ اس طرح تمہارے حسن سلوک کا دائرہ بڑھتا چلا جانا چاہئے۔

"تبذیر" کی ممانعت اور اس کی شناعت

لیکن اگر کوئی شخص اپنی دولت کو نام و نمود' نمائش اور اللوں تللوں میں اڑا رہا ہے ہے تو وہ اس خیر' اس نیکی اور اس بھلائی سے محروم رہے گا۔ لہٰذا اس کے ساتھ ہی تبذیر

کی ممانعت کی گئی جو ادائے حقوق کی ضد ہے۔ گویا ایک ہی آیتِ مبارکہ میں معاشرتی و سماجی اعتبار سے اخراجات کی دو انتہاؤں کو جمع کر دیا گیا اور یہ رہنمائی دے دی گئی کہ انسان کو چاہئے کہ ابنائے نوع پر اپنی دولت مندی کا رُعب گانٹھنے کے لئے نام و نمود اور نمائش کے فضول کاموں پر خرچ کرنے کے بجائے اسے ان کی ضروریات اور احتیاجات کو رفع کرنے کا ذریعہ بنائے۔ چنانچہ آیت کے اختتام پر فرمایا ﴿ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ﴾ یعنی اپنی دولت کو اَللّوں تَللّوں میں مت اڑاؤ۔

یہاں نوٹ کیجئے کہ اس سلسلے میں سورۃ الفرقان میں لفظ "اِسراف" آیا تھا لیکن یہاں اسراف کے بجائے "تبذیر" آیا ہے۔ اگرچہ اسراف اور تبذیر دونوں قابلِ تحذیر اور قابلِ مذمت ہیں' لیکن ان کے مابین فرق ہے! اسراف انسان کا اپنی کسی جائز ضرورت کو پورا کرنے میں ضرورت سے زائد خرچ کرنا ہے' مثلاً خوراک ہماری ضرورت ہے لیکن ضرورت سے آگے بڑھ کر انواع و اقسام کے کھانوں کو دسترخوان کی زینت کا معمول بنالینا اسراف کے ذیل میں آئے گا۔ کپڑے پہننا اور تن ڈھانپنا ہماری ضرورت ہے' لیکن بیس بیس اور تیس تیس جوڑوں سے الماریاں بھری ہوئی ہوں تو یہ اسراف ہے۔ اسراف کی ضد ہے بخل' یعنی اللہ تعالیٰ نے کشادگی دے رکھی ہے' آسودگی اور خوش حالی ہے' لیکن انسان دولت کو سینت سینت کر رکھ رہا ہے' دوسروں پر تو کیا خرچ کرے گا' خود اپنی جائز ضرورتوں میں بھی بخل سے کام لیتا ہے۔ یہ انسان کے ذاتی اور نجی اخراجات کی دو انتہائیں ہیں۔ چنانچہ انسان کے ذاتی سیرت و کردار کے اوصاف کے ضمن میں سورۃ الفرقان میں اس بات کو مثبت انداز میں بیان کر دیا گیا ﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴾ یعنی "(عباد الرحمٰن) جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں (کہ ضرورت سے زیادہ خرچ کریں) اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں (کہ حقیقی ضرورت کے معاملے میں بھی خرچ کرتے ہوئے دل میں گھٹن محسوس کریں) بلکہ ان کا معاملہ اور رویہ اعتدال کار ہتا ہے"۔ اب ذرا غور کیجئے کہ تبذیر کیا ہے؟ تبذیر اس خرچ کو کہا جاتا ہے جس کی سرے سے کوئی حقیقی ضرورت ہوتی ہی نہیں۔ صرف نمود و نمائش کے لئے' لوگوں پر اپنی دولت کا رعب گانٹھنے کے لئے اور

اپنی دولت مندی کی دھونس جمانے کے لئے دولت خرچ کی جاتی ہے' جیسے ہمارے اہل ثروت کے یہاں شادی کی تقاریب کے موقع پر ہوتا ہے۔

یہاں تبذیر کی نہایت شدید مذمت بیان کی گئی ہے۔ فرمایا گیا کہ یہ مبذّرین (فضول خرچی کرنے والے) دراصل شیطانوں کے بھائی ہیں۔ غور کیجئے ایسا کیوں کہا گیا؟ شیطان انسانوں پر جو سب سے بڑا حربہ آزماتا ہے' خصوصاً معاشرتی' سماجی اور تمدنی سطح پر' وہ انسانوں کے دلوں سے باہم محبت و اخوت کے رشتوں اور جذبات کو ختم کر کے اس میں نفرت و عداوت کے بیج بو دینا ہے۔ چنانچہ شراب اور جوئے کے بارے میں سورۃ المائدہ کی آیت ۹۱ میں فرمایا گیا: "شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے دل میں بغض و عداوت اور دشمنی کے بیج بو دے"۔ غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ تبذیر سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ ایک بہت بڑے سرمایہ دار کی بیٹی کی شادی ہو رہی ہے' اس کا عالی شان بنگلہ جگمگ جگمگ کر رہا ہے' اس کے چپے چپے پر اور درختوں کے ایک ایک پتے کے ساتھ روشنی کے قمقمے لگا دیئے گئے ہیں' پوری کوٹھی بقعۂ نور بنی ہوئی ہے۔ اسی کوٹھی میں اس کا کوئی شوفر بھی ہے' کوئی خانساماں بھی ہے' اس کے بنگلے میں مختلف کاموں کے لئے بہت سے دوسرے ملازمین بھی ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ ان ملازمین میں سے کسی کی جوان بچی اس لئے بیٹھی ہوئی ہو اور اس کے ہاتھ پیلے نہ ہو سکتے ہوں کہ بچی کی شادی کے ضمن میں جو کم سے کم ضروری اخراجات ہوں' ان کے لئے بھی اس کے پاس پیسہ نہ ہو۔ اب آپ خود فیصلہ کر لیجئے کہ دولت کے اس طرح اظہار کو دیکھ کر کیا آپس میں محبت اور یگانگت کا احساس پیدا ہو گا؟ اس سے تو نفرت و عداوت کے بیج ہی دلوں میں بوئے جائیں گے۔ "haves" اور "have nots" کا شعور اور طبقاتی فرق و تفاوت کے احساسات و جذبات کے ادراک کو دلوں میں پختہ کرنے میں سب سے زیادہ مؤثر بات یہی ہے کہ دولت مند اپنی دولت کا اس طریقے سے اظہار کریں' اس کی نمائش کریں۔ اس طرح دلوں کے اندر نفرت و عداوت کا لاوا پکتا رہتا ہے۔ لہٰذا فرمایا ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوْرًا﴾ "یقیناً مبذّرین (نام و نمود اور نمائش کے لئے اپنی دولت اڑانے والے) شیطانوں کے بھائی ہیں' اور شیطان تو

ہے ہی اپنے رب کا بے حد ناشکرا"۔

اگلی آیت میں ایک اور بات کی تلقین فرمائی کہ اگر تمہیں کبھی اپنے قرابت داروں' ضرورت مندوں یا سائلین سے کسی وقت معذرت کرنا ہی پڑے' اس لئے کہ تم خود بھی (فراغت اور کشادگی کے لئے) اللہ کی رحمت کے امیدوار ہو' تو بات نرمی کے ساتھ کرو' ان کو جھڑکو نہیں' جیسا کہ سورۃ الضحیٰ میں خود حضور ﷺ سے فرمایا گیا : ﴿وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ﴾ یہاں ایک معاشرتی اخلاقی قدر (value) کے طور پر ہدایت دی جارہی ہے ﴿وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا﴾

پھر یہ بھی فرمایا گیا کہ اس خیر اور بھلائی کے کام میں بھی اعتدال و توازن کی ضرورت ہے۔ ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ﴾ نہ تو ایسا ہو کہ ہاتھ گردن سے بندھا ہوا ہو' یہ بخل کے لئے ایک تعبیر ہے۔ ﴿وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾ "اور ایسا نہ ہو کہ ہاتھ بالکل کھلا چھوڑ دیا جائے" اس میں بھی اعتدال کی ضرورت ہے۔ آدمی جذبات میں آکر کسی وقت اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا دیتا ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ بعد میں پچھتائے ﴿فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا﴾ اس کی اپنی اولاد فقیروں اور بھکاریوں کی صورت اختیار کرلے۔ اس لئے اس میں بھی توازن اور اعتدال درکار ہے۔

اس مضمون کا اختتام اس آیتِ مبارکہ پر ہوتا ہے ﴿اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا﴾ "بے شک تیرا رب ہی کھول دیتا ہے روزی جس کے لئے چاہے اور تنگ بھی وہی کرتا ہے۔ بلاشبہ وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا' ان کو دیکھنے والا ہے"۔ اس آیت کے ذریعے سے دراصل یہ اصول بیان کردیا گیا کہ کسی کی کشادگی و تونگری اور کسی کی تنگی اور مفلسی کے ذمہ دار تم نہیں ہو اور نہ یہ واقعتاً تمہارے بس کی بات ہے۔ اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ اپنے علمِ کامل اور حکمتِ بالغہ کی بنا پر کرتا ہے اور فراخی و تنگی میں بھی بندے کا امتحان مقصود ہوتا ہے۔

قتلِ اولاد کی ممانعت

اگلی آیت میں قتل اولاد کی ممانعت ان الفاظ میں وارد ہوئی ہے : ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا

اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝﴾ "اور اپنی اولاد کو مفلسی اور تنگ دستی کے خوف سے مت قتل کرو۔ ہم ان کو بھی رزق دیں گے اور تم کو بھی (دے رہے ہیں اور دیں گے)۔ یقیناً ان کا قتل بہت بڑا گناہ ہے"۔

ایامِ جاہلیت یعنی بعثتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے قبل عرب میں یہ قبیح رواج تھا کہ پیدائش کے فوراً بعد اپنی اولاد کو مار ڈالتے تھے کہ ان کا خرچ کہاں سے لائیں گے! گویا معاشی محرکات ان کو قتلِ اولاد جیسے ظالمانہ فعل پر آمادہ کرتے تھے۔ یہاں افلاس کے خوف سے قتلِ اولاد سے روکا گیا ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ رزق کے ٹھیکے دار تم نہیں ہو بلکہ اس کی پوری ذمہ داری اللہ پر ہے۔ وہی تمہیں رزق دیتا ہے اور وہی تمہاری آئندہ نسلوں کو بھی کھلائے گا۔ اولاد کا قتل ایک بہت بڑا گناہ ہے اور یہ فعل کبیرہ گناہوں میں شامل ہے ـــــ یہاں یہ بات بھی نوٹ کر لیجئے کہ ہمارے اکثر علماء کرام نے معاشی محرکات کے تحت منع حمل کی تدابیر کو بھی تبعاً اسی "نہی" کے حکم میں شامل قرار دیا ہے اور کسی حقیقی و ناگزیر طبّی ضرورت کے علاوہ صرف معاشی محرکات کے پیشِ نظر اسقاطِ حمل کو تو واضح طور پر قتلِ اولاد کے گناہ کبیرہ میں شمار کیا ہے۔ (جاری ہے)

جہاد کا مفہوم اور اس کے مراحل

مرتب : ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور

جہاد کا لغوی معنی :

لفظ "جہاد" جُہد سے نکلا ہے اور "ج ہ د" کے معنی ہوتے ہیں کوشش کرنا، محنت کرنا، تھکنا ـــــ اور جب یہ لفظ "جُہد" بابِ مفاعلہ میں چلا جاتا ہے تو معنی ہوتے ہیں مقابلے میں سخت کوشش کرنا۔ بابِ مفاعلہ کا مصدر فِعال اور مُفاعَلہ دونوں اوزان پر آتا ہے مثلاً:

قَتَلَ ۔ سے مصدرِ مفاعلہ = قِتَال اور مُقَاتَلَة

نَفَقَ ۔ سے مصدرِ مفاعلہ = نِفَاق اور مُنَافَقَة

اسی طرح جہد سے مصدر مفاعلہ = جِهَاد اور مُجَاهدة

بابِ مفاعلہ کی دو خوبیاں یا خواص معروف ہیں : مبالغہ (شدت و کثرت) اور مقابلہ (فریق ثانی سے ٹکراؤ)۔ یوں کہہ سکتے ہیں کہ "جُہد" آپ کی یک طرفہ کوشش ہے لیکن جب آپ کی کوشش کے مقابلے میں دوسروں کی کوشش آڑے آگئی تو دونوں طرف سے کوششوں کا ٹکراؤ ہوگا اور ٹکراؤ کی صورت میں ہر فریق بازی لے جانے کے لئے اپنا پورا زور صرف کردے گا۔ اب یہ جہاد اور مجاہدہ بن جائے گا۔ گویا مقابلے میں آپ نے پوری کوشش صرف کردی۔

انگریزی زبان میں جُہد کے معنی ہیں :

To exert oneself one's utmost for something

جبکہ جہاد کا ترجمہ ہوگا :

To struggle for some cause against something or to struggle against heavy odds.

ان الفاظ سے انگریزی زبان میں لفظ "جہد" اور "جہاد" کا فرق واضح ہو گا۔

مراحل جہاد

جہاد کے تین جلی اور نمایاں مراحل ہیں اور ہر مرحلے کے اندر پھر کچھ خفی اور پوشیدہ مراحل بھی ہیں۔

جلی مراحل :

(۱) اپنے نفس کے خلاف جہاد کرنا۔

(۲) معاشرے کے خلاف جہاد کرنا۔

(۳) حکومت اور نظام کے خلاف جہاد کرنا۔

۱) نفس کے خلاف جہاد : ہمارا دل ہمارے جسم کے اندر ہے اور اس جسم کے کچھ حیوانی تقاضے (Animal Instincts) ہیں۔ نفس امارہ بھی ہمارے ساتھ لگا ہوا ہے۔ خواہشات بھی ہیں' شہوات بھی ہیں۔ اب جونہی ایمان دل میں داخل ہوا تو کشاکش شروع ہو گئی۔ ایمان کا تقاضا اور مطالبہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی بات مانو۔ دوسری طرف نفس کہہ رہا ہے کہ نہیں بلکہ میری مانو' میری خواہشات و شہوات پوری کرو۔ چنانچہ اب یہ کشاکش اور رسہ کشی شروع ہو گئی ؎

ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے ' کلیسا مرے آگے

یہی سب سے اہم' مرکزی اور بنیادی جہاد ہے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ اندر ایمان تو داخل ہو لیکن اس طرح کی جنگ اور کشاکش شروع نہ ہو۔ یا پھر وہ ایمان' حقیقی ایمان نہیں بلکہ مجرد دعویٰ ایمان ہے۔ بالفاظ دیگر ایمان کا خلا ہے۔ کیونکہ جونہی دل میں حقیقی ایمان آئے گا نفس امارہ' خواہشات اور شہوات کے خلاف جنگ شروع ہو جائے گی' ان کے ساتھ تصادم ہو گا۔ نتیجتاً یا ایمان کامیاب ہو گا یا پھر حیوانی داعیات (Animal Instincts) کامیاب ہوں گے۔ یہ جہاد کی اولین منزل ہے۔ اسی لئے اس

کو اصل جہاد کہا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي طَاعَةِ اللّٰهِ)) (۱)

"اور سچا مجاہد وہ ہے جس نے اللہ کی رضا کی خاطر اپنے نفس کے خلاف جہاد کیا"

۲) معاشرے کے خلاف جہاد : اگر آپ نے اپنے دل پر کنٹرول حاصل کر لیا' اپنے نفس کو زیر کر لیا اور یہ بازی جیت گئے تو اب جہاد آپ کے وجود سے باہر آئے گا۔ باہر ایک ماحول بنا ہوا ہے۔ ایک معاشرہ اپنی اقدار و روایات کے ساتھ قائم ہے' جس میں غلط نظریات موجود ہیں' شرک' الحاد' مادہ پرستی' مفاد پرستی' شیطان کی دعوت وغیرہ سب کچھ موجود ہے۔ اگر فی الواقع دل میں ایمان جم چکا ہے تو لازماً کشاکش اور نظریاتی جنگ شروع ہو گی۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ اندر ایمان ہو اور انسان ابطال باطل اور احقاق حق سے غافل ہو جائے۔ یہی نظریاتی جہاد ہے جس میں دعوت و تبلیغ کی خاطر جان و مال کو کھپانا شامل ہے۔

۳) نظام اور حکومت کے خلاف جہاد : معاشرہ چاہے سرمایہ دارانہ ہو یا جاگیردارانہ' کمیونزم کو مانتا ہو یا سوشلزم کو' ظالمانہ ہو یا آمرانہ' یعنی اللہ کے سوا کسی اور کا قانون چل رہا ہو' تو اگر ایمان موجود ہے تو اس کا لازمی تقاضا ہو گا کہ ایسے فاسد نظام سے ٹکراؤ۔ اب بات نظریاتی نہیں رہے گی' کیونکہ اس نظام کے ساتھ مراعات یافتہ طبقات کے مفادات اور vested interests وابستہ ہیں۔ وہ ٹھنڈے پیٹوں آپ کی بات نہیں چلنے دیں گے' بلکہ وہ اس نظام کا ہر قیمت پر تحفظ و دفاع کریں گے' اور آپ کو ان سے ٹکرانا ہو گا۔ یہ طاقت کا طاقت سے بالفعل ٹکراؤ ہو گا۔ یہی جہاد کی تیسری اور بلند ترین منزل ہے' جہاں پہنچ کر جہاد قتال کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

جہاد کے تفصیلی مراحل :

اوپر ہم نے جہاد کی تین منزلیں بیان کی ہیں۔ ان کو تین سے ضرب دیں گے تو یہ نو بن

---

(۱) مسند احمد ۲۱/۶ و المستدرک للحاکم ۱۱/۱ و المعجم الکبیر للطبرانی ۷۹۶/۱۸ و کشف الاستار ح ۱۱۴۳۔ علامہ شعیب الارناؤوط نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ صحیح ابن حبان ۲۰۳/۱۱ ح ۴۸۶۲ طبع الرسالة

جائیں گی، جن کی تفصیل کچھ یوں ہے :

(۱) نفس امارہ کے خلاف جہاد، کیونکہ نفس امارہ ہمیشہ بدی پر اُکساتا ہے، لہٰذا یہاں سے ہی جہاد کی ابتداء ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (یوسف : ۵۳)

"میں اپنے نفس کی پاکیزگی بیان نہیں کرتا، بے شک نفس تو برائی پر اُبھارنے والا ہی ہے، مگر یہ کہ میرا پروردگار ہی رحم کردے، یقیناً میرا پالنے والا بڑی بخشش کرنے والا اور بہت مہربانی فرمانے والا ہے"۔

(۲) شیطان کے خلاف جہاد، جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ "یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ" وہ لوگوں کے دلوں میں پھونکیں مارتا ہے، وسوسہ ڈالتا ہے، مختلف حربوں سے مغالطہ انگیزی کرتا ہے، حیلہ سازی و بہانہ سازی سکھاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے خبردار کرتے ہوئے فرمایا :

﴿ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ﴾ (فاطر : ۶)

"شیطان یقیناً تمہارا دشمن ہے اور تم بھی اس کو دشمن بنا کر رکھو۔"

(۳) بگڑے ہوئے اور کافر و ملحد معاشرے کے خلاف جہاد۔ یہ معاشرہ تم کو اپنی اقدار و روایات کے مطابق چلانا چاہتا ہے۔ دوسری طرف تم کو ایمان کے تقاضے کے مطابق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرنی ہے۔ چنانچہ یا تو تم معاشرے کو بدل دو ورنہ وہ تم کو بدل دے گا۔ ظاہر بات ہے معاشرے کو بدلنے کے لئے تمہیں معاشرے کے تینوں طبقات کے خلاف جہاد کرنا ہوگا۔ اور ابتدائی مرحلے میں جہاد باللسان سے آغاز کرنا ہوگا۔

(۴) معاشرے پر اتمام حجت کے لئے تعلیم یافتہ طبقے (Intellectuals) کو دعوت دی جائے گی "بالحکمۃ" کہ بات ان کے دل کو لگے اور سمجھ آجائے۔

(۵) عوام کو دعوتِ ایمان و اصلاح دی جائے گی "بالموعظۃ الحسنۃ" کیونکہ ان کی سمجھ بوجھ کا معیار اسی سطح پر بات سمجھ سکتا ہے۔

(۶) بگڑے ہوئے لوگوں کو، جن کی سلیم الفطرت روحیں مسخ ہو چکی ہوں، دعوت دی جائے گی مجادلے اور مناظرے کے ذریعے۔

ان تینوں سطحوں پر دعوت کے لئے مختلف صلاحیتوں کے افراد درکار ہوں گے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا :

﴿ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ﴾ (النحل : ۱۲۵)

"اے نبی! اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو۔"

اور یہیں سے یہ اصول اخذ کیا گیا ہے : "كَلِّمِ النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ" یعنی لوگوں کی عقل کے مطابق ان سے گفتگو کی جائے۔ اور ہر طبقے کے افراد پر اتمامِ حجت بھی اسی طرح ہو سکتی ہے، جس کی خاطر انبیاء و رُسل علیہم السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

﴿ رُسُلاً مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلاَّ یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزاً حَكِیْمًا ۝ ﴾ (النساء : ۱۶۵)

"یہ سارے رسول خوشخبری دینے والے اور متنبہ کرنے والے بنا کر بھیجے گئے تھے تاکہ ان کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہے، اور اللہ بہرحال غالب رہنے والا اور حکیم و دانا ہے۔"

(۷) اتمامِ حجت کے بعد لازماً اظہارِ دین یا غلبۂ دین کا مرحلہ درپیش ہو گا۔ اس میں سب سے پہلے یک طرفہ تصادم ہو گا، لوگ ماریں گے، پیٹیں گے، قتل کریں گے، لیکن تم کو صرف صبر کرنا ہے۔ مکہ مکرمہ میں کم سے کم آٹھ سال تک رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کا طرزِ عمل یہی رہا کہ جبر و تشدد برداشت کرنا ہے، سزا جھیلنا ہے، مگر جوابی کارروائی نہیں کرنی، اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ نہیں اُٹھانا۔

(۸) مصائب جھیلنے کے ساتھ ساتھ اپنی قوت مجتمع کرتے رہو اور جب مناسب قوت حاصل ہو جائے تو صبر محض والا جہاد اقدام اور چیلنج کی شکل اختیار کر جائے گا۔ پھر

ایک ایک برائی کو چیلنج کرتے ہوئے اس کا گھیراؤ تنگ کر دیا جائے گا۔ گھیراؤ اور پکٹنگ کی اصطلاحات اسی ضمن میں استعمال ہوتی ہیں۔ اور یہی وہ مقام ہے جب منکر کو ہاتھ کی طاقت سے رد کا جائے گا' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((مَنْ رَاٰی مِنکُمْ مُنْکَراً فَلْیُغَیِّرْهُ بِیَدِهٖ' فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ..)) (۲)

"تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ کی طاقت سے بدل دے' اگر یہ نہ کر سکتا ہو تو زبان سے رد کے.....الخ"

(۹) جب نظامِ باطل کو ہاتھ کی طاقت سے رد کا جائے گا تو ظاہر ہے کہ وہ پلیٹ میں رکھ کر اختیارات آپ کے حوالے تو نہیں کر دے گا' بلکہ بھرپور مقابلہ کرے گا اور اپنے وجود کی بقا کے لئے سارے جتن کر ڈالے گا اور یہیں سے مسلح ٹکراؤ شروع ہو گا۔ یہ جہاد کی آخری اور نویں منزل ہے' جہاں جہاد قتال کی شکل اختیار کر چکا ہو گا۔ اس کے بعد یا باطل نظام ختم ہو جائے یا جہاد کرنے والے شہید ہو کر اللہ کے حضور سرخ رو ہو جائیں گے۔

جہاد کی مختلف صورتیں :

جہادِ زندگانی : انسان کو اپنی بقا کے لئے بھی ایک قسم کا جہاد کرنا پڑتا ہے۔ یعنی بقائے ذات (Preservation of the self) کی خاطر جہاد۔ بقائے ذات کی خاطر انسان کو رزق' سر چھپانے کو جگہ اور لباس چاہئے' نیز دیگر لوازمات درکار ہوں گے۔ ان کے حصول میں مقابلہ بازی (Competition) ہے Struggle for existence کہا گیا ہے۔ اسی طریقے سے بقاءِ نوع (Preservation of the species) کی خاطر جہاد ہے۔ اس کے لئے شادی کی ذمہ داریاں اٹھانی ہوں گی اور یہ وہ جہاد ہے جو ہر مسلمان اور مومن کر رہا ہے۔ چونکہ وہ اس میں ناجائز ذرائع استعمال نہیں کرتا بلکہ رزق حلال

---

(۲) صحیح مسلم کتاب الایمان ح ۴۹ و سنن الترمذی کتاب الفتن ح ۲۱۷۳ و سنن ابی داؤد کتاب العیدین ح ۱۱۴۰ و دیگر کتب حدیث۔

کماتا ہے' شرعی اصولوں کے مطابق نکاح کرتا ہے' جائز تعلق زن و شو قائم کرتا ہے لہٰذا یہ بھی جہاد میں شمار ہو گا۔

حقوق کی خاطر جہاد : اگر کسی خاص طبقے پر ظلم ہو رہا ہو یا عمومی سطح پر ظلم ہو رہا ہو تو اس ظلم سے نجات پانے کی خاطر جنگ کرنا یا جدوجہد کرنا بھی جہاد کا حصہ ہے۔ اسی طرح اپنے معاشی یا سیاسی حقوق حاصل کرنے کی خاطر محنت و جدوجہد کرنا' بالخصوص اگر سیاسی حقوق غصب کر لئے گئے ہوں تو ان کو حاصل کرنا شیر کے منہ سے نوالہ نکالنے والی بات ہوتی ہے۔ اگر معاشی استحصال (Exploitation) ہو تو ایسے ظالموں کا ہاتھ روکنا یہ سب جہادِ زندگانی کے حصے اور اجزاء ہیں۔ اسی طرح اگر کسی فرد نے فرد کو یا قوم نے قوم کو محکوم بنا رکھا ہو' ان کی آزادی سلب کر لی ہو تو آزادی حاصل کرنے کی خاطر محنت و جدوجہد کرنا بھی فی الواقع جہاد ہے اور یقیناً اگر کسی فرد یا قوم کے اندر حمیت نام کی کوئی چیز زندہ ہو گی تو وہ مرجانا گوارا کر لیں گے غلامی قبول نہیں کریں گے۔ چونکہ ایک مسلمان حصول مقاصد کے لئے جائز ذرائع استعمال کرتا ہے اس لئے اس کی ساری کوشش و محنت جہاد کے زمرے میں آتی ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے تحفظ دین' تحفظ مال' تحفظ جان اور تحفظ عزت کی خاطر جان قربان کر دینے والوں کو شہید کا درجہ دیا ہے' فرمایا :

((مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ دَمِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ دِيْنِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ اَهْلِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ)) (۳)

"جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے اور جو شخص اپنی ذات کی حفاظت میں مارا گیا وہ بھی شہید ہے اور جو شخص دین کی حفاظت میں مارا گیا وہ بھی شہید ہے اور جو شخص اپنے اہل خانہ کی حفاظت (جان و عزت) میں مارا گیا وہ بھی شہید ہے۔"

---

(۳) سنن الترمذی کتاب الدیات باب ماجاء فیمن قتل دون مالہ فھو شھید ح ۱۴۱۸ و ۱۴۲۱ و سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب فی قتال اللصوص ح ۴۷۷۲ و سنن النسائی کتاب تحریم الدم باب من قاتل دون مالہ و مسند احمد ۱/۱۹۰ محدثین نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

البتہ مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ناجائز ذرائع اور ہتھکنڈے استعمال کرے۔ مسلمان کو تو یہاں تک حکم ہے کہ دوران جہاد و قتال غیر ضروری نقصان نہ کرے، مثلاً دشمن کے علاقے سے درخت بھی نہ کاٹے۔ البتہ ایک خاص موقع پر حکم قرآنی کے بعد درخت کاٹے گئے اور گھر برباد کئے گئے۔ ورنہ عموماً حکم یہی ہے کہ نہ تو دشمن کے گھر برباد کئے جائیں یعنی سول آبادی کو نقصان نہ پہنچایا جائے اور نہ بچوں، بوڑھوں، عورتوں، عبادت گاہوں میں موجود بے ضرر افراد کو نقصان پہنچایا جائے، نہ فصلوں کو برباد کیا جائے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ ہر مسلمان کا جہاد حریت شرعی جہاد ہے بشرطیکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بنائے ہوئے قواعد وضوابط کی پابندی کی جائے۔

جہاد برائے تلاش حقیقت : تاریخ دعوت وعزیمت پر نظر ڈالیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی جہاد برائے تلاش حقیقت سے بھرپور نظر آتی ہے۔ یقیناً اور لوگ بھی اسی راہ کے مسافر رہ چکے ہیں لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات مصدقہ ذرائع سے ہمارے پاس پہنچے ہیں اور تاابد محفوظ ہیں۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ کی زندگی جہاد برائے تلاش حقیقت سے عبارت ہے۔ آپ ایران سے شام اور شام سے یثرب (مدینہ منورہ) پہنچے اور مقصود صرف حقیقت کی تلاش تھا۔ یہ بھی بہت بڑا جہاد ہے۔

جہاد برائے ترقی ایمان : ایمان کو پانے اور حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرنا یقیناً بہت بڑا جہاد ہے۔ اگلے مرحلے میں ایمان پر قائم رہنے اور اس کو ترقی دینے کے لئے محنت کرنا بھی ایک جہاد ہے۔ ہم سب عالم اسباب میں رہتے ہیں اور یہ اسباب ہم پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ جذبہ ایمان پر بشری تقاضوں کی اَوس پڑتی رہتی ہے۔ مسکن ایمان یعنی دل پر گناہوں اور لغزشوں کی گرد آتی رہتی ہے۔ اس لئے مسلسل ذکر اور استحضار اللہ فی القلب کا حکم ایمان کو صاف اور صیقل کرنے کے لئے دیا گیا ہے۔ ایمان کو محض قائم رکھنا اور برقرار رکھنا ہی مطلوب نہیں بلکہ آگے بڑھ کر اس کی گہرائی اور گیرائی میں اضافہ بھی مقصود ہے۔ اگر ترقی کرنے کی بجائے ایک جگہ ہی پڑاؤ کر لیا گیا تو عین ممکن ہے کہ کسی دن

پستی کی طرف سفر شروع ہو جائے جو بہت بڑا خسارہ ہے۔

ایمان اور اسلام کا معاملہ ایک درخت کی مانند ہے۔ جوں جوں درخت کی شاخیں اور ٹہنیاں بڑھتی چلی جائیں گی اسی اعتبار سے اس کی جڑیں زمین میں گہری ہوتی چلی جائیں گی، یعنی جس نسبت سے اسلام کے ظاہری احکام پر عمل ہو گا اسی تناسب سے ایمان کی جڑیں دل میں مضبوط ہوتی چلی جائیں گی اور وہ دل میں گہری ہوتی چلی جائیں گی۔ چنانچہ ایمان کو قائم اور زندہ رکھنے بلکہ پروان چڑھانے کے لئے بھی ایک مسلسل کوشش و محنت کرنا پڑتی ہے، جسے جہاد برائے ترقی ایمان سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اسے آپ Living and Burning faith اور Conviction کا نام دے سکتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ مومن کا ہر لمحہ جہاد سے عبارت ہے۔ اور وہ ہر وقت حالت جہاد میں ہے۔

جہاد فی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کا فرق :

مکی سورتوں میں ہے "جهاد فِي الله" کی اصطلاح وارد ہوئی ہے۔ فرمایا :

﴿ وَ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ﴾ (الحج : ۷۸)

"اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔"

نیز فرمایا :

﴿ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴾ (العنکبوت : ۶۹)

"جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انہیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے۔"

دوسری طرف مدنی سورتوں میں "جہاد فی سبیل اللہ" اور "قتال فی سبیل اللہ" کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حصول ایمان کی کوشش اور ایمان کی گیرائی اور گہرائی میں محنت کو جہاد فی اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور دعوت و تبلیغ اور اقامت دین کی محنت کو "جهاد فی سبیل اللہ" کہا جائے گا..... واللہ اعلم بالصواب۔

وسائل جہاد :

وقت اور ضرورت کی مناسبت سے جہاد کا انداز اور اسلوب مختلف ہو گا۔ اس لئے کبھی ہاتھ سے جہاد ہو گا، کبھی زبان سے اور کبھی دل سے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ)) (۴)

"جو ان کے خلاف ہاتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو زبان سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے اور جو دل سے ان کے خلاف جہاد کرے وہ بھی مومن ہے۔ اس کے بعد رائی کے دانے جتنا بھی ایمان نہیں ہے۔"

اور اس جہاد کے لئے جو ہتھیار استعمال ہو گا وہ قرآن کا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا :

﴿ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝ ﴾ (الفرقان : ۵۲)

"پس اے نبی! کافروں کی بات ہرگز نہ مانو اور اس قرآن کو لے کر ان کے ساتھ زبردست جہاد کرو"۔

خارج میں جہاد سے پہلے داخل میں جو نفس سے جہاد ہو گا اس کا ہتھیار بھی قرآن حکیم ہی ہے۔ فرمایا :

﴿ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ ﴾ (المزمل : ۴)

"اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو"

کیونکہ اندر کو شیطانی وسوسوں سے پاک صاف کرنے والی شے قرآن حکیم ہی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس حقیقت کی عکاسی اپنے اشعار میں اس طرح کی ہے۔

کشتنِ ابلیس کارے مشکل است
زانکہ او گم اندر اعماقِ دل است
خوش تر آں باشد مسلمانش کنی
کشتہ شمشیر قرآنش کنی

"ابلیس کو مارنا ایک مشکل کام ہے کہ وہ دل کی گہرائیوں میں جا کر ڈیرا لگا لیتا ہے بہتر یہ ہے کہ اسے مسلمان بنا دو اور قرآن کی تلوار سے اس کا قلع قمع کر دو"۔

---

(۴) صحیح مسلم کتاب الایمان کون النہی عن المنکر من الایمان ح ۵۰

حقیقت میں علامہ اقبالؒ نے ان دو شعروں میں دو حدیثوں کے مدعا کو جمع کر دیا ہے۔

پہلی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے :

((اِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ)) (۵)

"یقیناً شیطان انسان کے اندر خون کی طرح دوڑتا ہے۔"

صحیح بخاری میں یہ حدیث سات جگہ بیان ہوئی ہے' ایک جگہ الفاظ کچھ یوں ہیں :

((اِنَّ الشَّیْطَانَ یَبْلُغُ مِنَ الْاِنْسَانِ مَبْلَغَ الدَّمِ))

"شیطان انسان کے ہر اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جہاں جہاں تک خون پہنچتا ہے"۔

ظاہر بات ہے ایسے زہر کا تریاق بھی کوئی ایسا ہی عدیم النظیر ہونا چاہئے جو جسم انسانی کے ہر رگ و ریشے تک پہنچے اور زہر کا مداوا کرے۔ اور یہ صرف قرآن حکیم ہی ہو سکتا ہے۔

دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((مَا مِنْکُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلاَّ وَقَدْ وُکِّلَ بِهٖ قَرِیْنُهٗ مِنَ الشَّیَاطِیْنِ)) قَالُوْا : وَاَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ : ((نَعَمْ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِیْ عَلَیْهِ فَاَسْلَمَ)) (۶)

"تم میں سے ہر ایک کے ساتھ شیاطین میں سے ایک ساتھی ہے"۔ صحابہ کرام

---

(۵) مسند احمد ج ۳' ص ۱۵۲ - ۲۸۵ - ۳۰۹ - ج ۶' ص ۳۳۷ و صحیح البخاری کتاب الاعتکاف باب هل یخرج المعتکف لحوائجه الی باب المسجد ح ۱۹۳۰ و صحیح مسلم کتاب السلام باب ۹ ح ۲۱۷۵ و سنن ابی داؤد کتاب السنة باب فی ذراری المشرکین ح ۴۷۱۹

(۶) مسند احمد ۱/۲۵۷ شرح احمد شاکر ح ۲۳۲۳ و المعجم الکبیر للطبرانی ۱۲/۸۶ ح ۱۲۶۲۰ (بروایة عبداللّٰه بن عباس رضی اللہ عنہما) معمولی لفظی اختلاف کے ساتھ صحیح مسلم کتاب المنافقین باب تحریش الشیطان ح ۲۸۱۴ (بروایة عبداللّٰه بن مسعود رضی اللہ عنہ) و مسند احمد ۱/۳۸۵ شرح احمد شاکر ۳۶۴۸ نیز متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ حدیث مروی ہے ملاحظہ ہو مجمع الزوائد للهیثمی ۸/۲۲۵ ح ۱۳۸۵۶ و مابعد

رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا : یا رسول اللہ! کیا آپ کے ساتھ بھی؟ فرمایا "ہاں' البتہ اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی ہے اور وہ تابع فرمان ہو گیا ہے۔"

(ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ : وہ مجھے صرف بھلائی کی بات کہتا ہے)

اور قرآن حکیم ہی دعوت و تبلیغ اور انذار و تبشیر کا ذریعہ اور مرکز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مندرجہ فرمودات پر ذرا غور کریں گے تو بات واضح ہو جائے گی۔ فرمایا :

﴿ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝ ﴾ (ق : ۴۵)

"پس تم اس قرآن کے ذریعے یاددہانی کراؤ جو میری تنبیہ سے ڈرے۔"

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بڑے زوردار الفاظ میں تبلیغ قرآن کا حکم دیا ہے' فرمایا :

﴿ يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ﴾ (المائدہ : ۶۷)

"اے پیغمبر جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا"۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم اپنی اُمت کو دیا۔ فرمایا :

((بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً)) (۷)

"میری طرف سے دوسروں کو پہنچا دو' خواہ تمہارے پاس ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔"

کیونکہ یہ قرآن ہی تبشیر و انذار کا صحیح ذریعہ ہے۔ متعدد آیاتِ قرآنیہ اس مضمون کو بیان کر رہی ہیں۔ بس ذرا توجہ سے قرآن حکیم کو پڑھنے کی ضرورت ہے۔

البتہ جب مرحلہ دعوت و تبلیغ اور انذار و تبشیر سے آگے قدم بڑھا کر میدانِ کارزار میں اتریں گے تو طاقت کا طاقت سے ٹکراؤ ہو گا۔ اس موقع پر جسمانی طاقت اور اسلحہ کی طاقت آپس میں ٹکرائے گی۔ ایسے ہی موقع کی مناسبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طاقتور مؤمن کو دوسرے کے مقابلے میں "خیر" قرار دیا ہے۔ فرمایا :((اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ

---

(۷) صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب ماذکر عن بنی اسرائیل ح ۳۲۷۴ و سنن الترمذی کتاب العلم باب ماجاء فی الحدیث عن بنی اسرائیل ح ۲۶۷۱

وَاَحبُّ اِلی اللّٰہ من المُومن الضَّعیف))[۸] طاقتور مومن کمزور مومن کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہے اور اللہ کو زیادہ محبوب ہے"۔

علامہ اقبالؒ نے جہاد کے لئے جینے اور اس راہ میں مرنے کے لئے مضبوط جسم و جان کی اہمیت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

ہو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے

ہماری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ ایمان حقیقی کا لازمی نتیجہ (Inevitable Result) جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اگر دعویٰ ایمان کے ساتھ جہاد شامل ہے تو ایمان حقیقی موجود ہے ورنہ بس قانونی اسلام ہے' کیونکہ جہاد ارکان اسلام میں تو شامل نہیں' البتہ حقیقی ایمان کا رکن رکین ہے۔ سورت الحجرات آیت ۱۵ میں ایمان حقیقی کے دو رُکن بیان ہوئے ہیں:

(۱) دل میں غیر متزلزل ایمان جس میں شک کا سائبہ تک نہ ہو۔

(۲) عمل میں جہاد جو اصلاح نفس سے شروع ہو کر قتال تک جاتا ہو۔ (جاری ہے)

---

(۸) صحیح مسلم کتاب القدر' باب فی الامر بالقوۃ .... الخ ح ۲۶۶۴ و سنن ابن ماجہ' المقدمہ' باب فی القدر ح ۷۹۔ و مسند احمد ۲/۳۷۰ استاذ احمد شاکر نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے' شرح احمد شاکر ح ۸۸۱۵

اہم اعلان

قرآن حکیم کے منتخب نصاب (مشتمل بر ۴۴ کیسٹ) کی دوبارہ مکمل' واضح اور ہائی فائی اسٹیریو ریکارڈنگ تیار کرلی گئی۔ یہ edited سیٹ مکتبہ سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ جو حضرات دوبارہ ریکارڈنگ کرانا چاہتے ہیں وہ بھی رابطہ کرسکتے ہیں۔

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 3-5869501

حدیثِ قدسی

"الصَّومُ لی وَأنا أجزِی بہٖ"

میں مضمر حکمتِ دین کے بیش بہا خزانے کے حصول

اور عظمتِ انسان سے واقفیت کے لیے

ڈاکٹر اسرار احمد

کی "بقامت کہتر و بقیمت بہتر" تحریر

عظمتِ صوم

کا مطالعہ فرمائیں

شائع کردہ: مرکزی انجمن خدّامُ القرآن لاھور

کون مسلمان ہے جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبّت کا دعویٰ نہ ہو!
لیکن آپ اور آپ کے لائے ہوئے دین سے سچی محبّت کے تقاضے کیا ہیں،
ہم میں اکثر لوگ اس سے بے خبر ہیں!

اس موضوع پر ڈاکٹر اسرار احمد کی نہایت جامع تالیف

حُبِّ رسُول اور اُس کے تقاضے

خود بھی مطالعہ کیجئے اور دوسروں تک بھی پہنچائیے!

شائع کردہ
مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن، ۳۶۔کے ماڈل ٹاؤن، لاہور

نماز ۔ مؤمن کی معراج

حافظ محمد سلیمان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حجرۂ مبارک میں تشریف فرما ہوتے، باتیں ہو رہی ہوتیں، ایسے میں جب نماز کا وقت آجاتا، آپؐ اذان سنتے تو یک بیک کیفیت مبارکہ یہ ہو جاتی گویا ہمارے ساتھ، بلکہ کسی کے ساتھ بھی، آپ ﷺ کی کوئی جان پہچان ہی نہیں۔ یہ بھی روایت ہے کہ جب بھی کوئی مشکل درپیش آجاتی آپؐ پہلا کام یہ کرتے کہ نماز ادا فرماتے کہ نماز ہی آپؐ کیلئے راحتِ جاں تھی۔ مسجد نبوی کے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ارشاد ہوتا: ((اَرِحْنَا یَا بِلَالُ)) "بلال! نماز کیلئے بلاؤ اور ہمیں راحت دو"۔ یہ تو آپؐ کے احوال عالیہ کا ذکر ہے کہ ذاتِ مبارکہ کیلئے نماز کیف حضوری کا ذریعہ، حل مشکلات کا وسیلہ، آنکھوں کی ٹھنڈک اور راحت جاں تھی۔ عام مومنوں کیلئے بھی ارشاد ہوا "نماز بندے اور اس کے رب کے درمیان سرگوشی ہے"۔ اذان میں نماز کو فلاح قرار دیا گیا ہے۔ یہ بھی فرمایا گیا کہ بندہ خدا سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ میں اپنا سر خم کر رہا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ارشاد ہوا: ((اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ)) یعنی نماز مومنوں کیلئے معراج کا درجہ رکھتی ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

کہے ہے ہر کوئی اللہ میرا
عجب نسبت ہے بندے میں خدا میں!

بندے اور خدا میں نسبت کا حال واقعی عجب ہے۔ یہ سب سے قدیمی (عہد الست والی) اور سب سے پائیدار (ابدالاباد تک قائم رہنے والی) واحد نسبت ہے۔ یہ نسبت ربوبیت اور عبدیت کی تو ہے ہی، اس کے ساتھ ساتھ یہ نسبت اپنائیت کی، معیت کی اور قربت کی بھی ہے۔ قرآن پاک میں ہے: ﴿ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ﴾ (البقرۃ: ۱۸۶) "جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو کہہ دیجئے کہ میں

قریب ہی ہوں۔" سوال یہ پیدا ہوا کہ کتنا قریب؟ اس کا جواب یوں دیا گیا : ﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾ (ق : ۱۶) "ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔"

انسان جتنا زیادہ خدا رسیدہ ہوتا ہے اتنا ہی اس کی قربت کو، معیت کو، حضوری میں ہونے کو محسوس کرتا ہے۔ وہ ہر وقت خدا کو اپنے ساتھ محسوس کرتا ہے۔ غارِ ثور میں، سفر ہجرت کے موقع پر رسول اللہ نے صدیق اکبرؓ سے فرمایا تھا : ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (التوبہ : ۴۰) "غم نہ کرو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔" جیسے بچہ ہر وقت ماں کی نگاہوں میں ہوتا ہے اور وہ اس کا ہر طرح سے خیال رکھتی ہے، اس کا تحفظ کرتی ہے، اس سے بے حد و حساب زیادہ خیال خدا اپنے بندوں کا رکھتا ہے۔ حضور ﷺ سے فرمایا گیا : ﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْیُنِنَا﴾ (النجم : ۴۸) "اپنے رب کے حکم کے لئے صبر کیجئے، آپؐ تو (ہر وقت) ہماری نظر میں ہیں۔" میر ولی الدین اپنی کتاب "قرآن اور تعمیرِ سیرت" میں "قرآن اور علاج خوف" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں : "بعض عارفین کی جیب میں یہ آیت لکھی رہتی تھی۔ خوف و مصیبت کے وقت اس پر نظر ڈالتے، حضوری و معیت حق کا ادراک کرتے اور محض اس ادراک سے کہ حق تعالیٰ ہماری اس مصیبت کو جانتے ہیں، دیکھ رہے ہیں، جھومتے اور رقص کرتے۔"

احساسِ معیتِ الٰہی کا یہ اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ بہرحال انسان کی تخلیق اسی لئے ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ "یوم الست" کو کئے گئے عہد کا ایفا کرے اور رب کے ساتھ عبدیت کا رشتہ استوار کرے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے : ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ﴾ (الذاریات : ۵۶) "میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی بندگی کے لئے پیدا فرمایا ہے۔" افسوس! صد افسوس! صد ہزار بار افسوس! کہ ہم عارضی انسانی رشتوں اور فانی اشیاء کے جھمیلوں میں اتنا کھو جاتے ہیں، زندگی کی بھیڑ میں اتنا گم ہو جاتے ہیں کہ خدا کی یاد سے غافل ہو جاتے ہیں اور ہماری حالت اس بچے کی سی ہو جاتی ہے جو میلے کی گہما گہمی، رونق اور تماشوں میں اتنا محو ہو جائے کہ باپ کی انگلی چھوڑ دے، پھر اسے اپنے گھر کا راستہ یاد نہ آئے اور وہ پریشان حال اور آشفتہ خاطر پھرے۔

خدا کی یاد ہی سے اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے : ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ (الرعد : ۲۸) "دل تو اللہ کی یاد ہی سے اطمینان پاتے ہیں۔" جو آدمی خدا کو بھلا بیٹھے، غفلت میں مبتلا ہو جائے، اس کے متعلق ارشاد ہوا : ﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا﴾ (طٰہٰ : ۱۲۴) "جو میری یاد سے منہ پھیرے اس کے نصیب میں آشفتہ حال زندگی ہی ہوتی ہے" اور ایسی زندگی کس کام کی؟ بقول شاعر ؎

زندگی دل کا سکوں چاہتی ہے
رونقِ شہرِ سبا کیا دیکھیں

اور دل کا سکون تو اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب اس میں صرف اور صرف اللہ کی یاد ہو۔ کسی عارف نے کیا خوب کہا ہے "خوب سن لو کہ دلوں کو چین اور اطمینان صرف اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہی میسر ہوتا ہے۔ پس قلب ایک شاہی محل ہے جس میں صرف شہنشاہ حقیقی ہی سکونت کر سکتا ہے۔ دل کوئی بھٹیار خانہ تو نہیں کہ جس کو چاہو ٹھہرالو۔ اگر ٹھہراؤ گے تو اس کے نزدیک ظالم اور گستاخ سمجھے جاؤ گے"۔

بندہ کے طور پر ہماری سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم غفلت سے بچیں، اللہ کو یاد رکھیں، اللہ اسے یاد کریں (ذکر کے یہ دونوں معانی ہیں)۔ اور سب کچھ بھول جائیں تو بھول جائیں مگر خدا کو کبھی نہ بھولیں۔ حضرت بُلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا ؎

رجندے نیں تینوں رب نہ بُھلّے، دعا فقیراں ایہا
رب نہ بُھلّے ہور سب کچھ بُھلّے، رب نہ بُھلّن جیہا

"میری پیاری جان! فقیروں کی دعا تو یہی ہے کہ تجھے رب نہ بھولے۔ اور سب کچھ بھول جائے تو بھول جائے، لیکن خدا نہ بھولے (کیونکہ) خدا بھولنے کی چیز نہیں ہے"۔

حضرت خواجہ فرید رحمۃ اللہ علیہ نے غفلت سے بچنے کی تلقین یوں فرمائی ؎

خاموش فرید اسرار کنوں
چُپ بے ہودہ گفتار کنوں

پر غافل تھی نہ یار کنوں
ایہو لاریبی فرمان آیا

"فرید! بھید کی باتیں بیان کرنے سے باز ہی رہو اور بے ہودہ گفتار کرنے سے گریزاں رہو۔ لیکن (بہرحال) خدا سے غافل نہ رہو۔ بے شک حکم اسی بات کا دیا گیا ہے"۔

حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے ورد زبان اکثر یہ شعر رہتا ؎

کسے کو غافل از حق یک زماں است
دراں دم کافر است امانہاں است

"جو شخص ایک لحہ کے لئے بھی خدا سے غافل ہو جاتا ہے وہ اس وقت نافرمانی کا ارتکاب کر رہا ہوتا ہے' اگرچہ یہ نافرمانی بظاہر نظر نہیں آتی"۔

باب الاسلام سندھ کے ہفت زبان صوفی شاعر حضرت سچل سرمست رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے ؎

جو دم غافل سو دم کافر سانوں ایہہ فرمایا

"ہمیں یہی حکم کیا گیا ہے کہ جو سانس بھی غفلت میں گزرے وہ نافرمانی میں گزرتا ہے"۔

نماز کیا ہے؟ غفلت کی بیماری کا ایک شافی' مجرب اور تیر بہدف علاج ہی تو ہے' نماز ذکر ہی تو ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے : ﴿اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ﴾ (طٰہٰ : ۱۴) "میرا ذکر کرنے کے لئے نماز قائم کیا کرو۔" نماز خدا کو یاد کرنے کی' یاد رکھنے کی بہترین ضمانت ہے' حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا : "اگر کسی کے دروازے کے آگے سے نہر بہتی ہو اور وہ اس میں پانچ مرتبہ روزانہ غسل کرے تو کیا اس (کے جسم) پر کوئی میل باقی رہ جائے گی؟" عرض کیا گیا "جی نہیں" ارشاد ہوا "اسی طرح نماز کا حال ہے۔" گویا دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھنے سے اتنی ہی بار روحانی غسل ہو جاتا ہے اور روح پر سے غفلت کی میل کچیل دور ہو جاتی ہے۔

روزانہ آٹھ پہروں میں وقفے' وقفے سے پانچ بار اللہ تعالیٰ کا بلاوا آتا ہے' یاد دہانی

ہوتی ہے کہ دنیا کی گہما گہمی میں اپنے خدا کو نہ بھول جاؤ' غفلت میں نہ پڑ جاؤ' اپنے اصلی اور دائمی گھر کو فراموش نہ کرو' عارضی اور وقتی پڑاؤ کو منزل نہ سمجھ بیٹھو۔ نماز تو گویا ایک کھڑکی ہے جو اس دنیا کی تنگ و تاریک کوٹھری سے خدا کے وسیع' روشن اور پُر رونق صحن میں کھلتی ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

دوزخ است آں خانہ کو بے روزن است
اصلِ دیں اے بندہ روزن کردن است

"ایسا گھر جس میں ایک بھی کھڑکی نہ ہو دوزخ ہی تو ہے۔ دین کی اصلیت اور حقیقت تو صرف اتنی ہے کہ حیاتِ مستعار کے عالم تنگ و تاریک سے حیاتِ اُخروی کے وسیع تر جہان کی جانب ایک کھڑکی کھول دی جائے"۔

یوں بھی ایک فانی انسان کو زیب نہیں دیتا کہ اس دو روزہ زندگی پر غرہ کر کے خدا سے غافل ہو جائے۔ آدمی تو پانی کا بلبلہ ہے۔ اقبال نے کہا تھا ع

قلزمِ ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب!

ایک بہت ہی پرانا لیکن اس سے بھی زیادہ سچا شعر ہے ؎

کیا بھروسہ ہے زندگانی کا!
آدمی بلبلہ ہے پانی کا!!

کچھ مضامین ایسے ہیں جن کی قرآن مجید میں بہت زیادہ تکرار کی گئی ہے۔ ان میں سے ایک انسانی زندگی کی فنا پذیری ہے۔ مثلاً ارشاد ہوا ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ آیت کا یہ ٹکڑا قرآن مجید میں تین بار آیا ہے۔ (۳ : ۱۸۵، ۲۱ : ۳۵ اور ۲۹ : ۵۷) یعنی "ہر جان موت کا ذائقہ چکھ کر رہے گی۔"

کسی پنجابی شاعر نے کم و بیش اسی مفہوم کو یوں ادا کیا ہے۔

"اوڑک ٹٹناں ایس پتنگ نیں بھاویں چڑھ جاوے آسمان نوں"

"یہ پتنگ خواہ اتنی بلند اُڑے کہ آسمان تک پہنچ جائے آخر اس نے ٹوٹنا ہی ٹوٹنا ہے۔"

حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار ملاحظہ ہوں :

اس کے بلاوے پر جو روزانہ پانچ وقت اذانوں کی صورت میں گونجتا ہے 'لبیک کہا جائے' اور اپنا سر نیاز اس کے در پر خم کیا جائے کہ اسی میں ہماری بھلائی ہے' اسی میں ہماری فلاح ہے' آخرت میں ہی نہیں اس دنیا میں بھی۔ بیان کیا گیا ہے کہ ایک عارف سے کسی نے پوچھا "کیا یہ سچ ہے کہ نماز پڑھنے سے آخرت میں جنت حاصل ہو گی؟" اس نے کہا "غافل! اگر تُو نماز کی اہمیت اور حضور قلب سے واقف ہو جائے تو یہ راز تجھ پر منکشف ہو جائے کہ نماز ہی جنت ہے اور وہ مؤمن کی معراج ہے"۔

آخر میں ایک نہایت ضروری انتباہ! نماز مومن کی معراج تو ہے' مگر رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی میں' ان صاحب کی اتباع میں نہیں جنہوں نے کہا تھا "آپؐ تو معراج پر تشریف لے گئے' حضوری کا شرف حاصل کیا اور واپس اسی مادی دنیا میں آ گئے' بخدا اگر میں جاتا تو واپس نہ آتا' وہیں کا ہو رہتا (او کما قال)" مومن تو تکبیر تحریمہ کہہ کر خدا کے ساتھ سرگوشی کی لذت سے فیض یاب ہوتا ہے' معراج کے روحانی سفر میں عرش تک چلا جاتا ہے مگر پھر اپنے پیارے نبی ﷺ کی پیروی میں فرش پر واپس آتا ہے اور واپس آنے کی علامت کے طور پر معاشرہ میں اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر السلام علیکم ورحمتہ اللہ کہہ کر نماز کا اختتام کرتا ہے اور اس طرح دوبارہ معمول کی عائلی' سماجی اور معاشی ذمہ داریوں کو احسن طریقہ سے نبھانا' نیز اس کے علاوہ اقامت دین کی اضافی (اور امت مسلمہ کی خصوصی) ذمہ داریوں کو سرانجام دینا شروع کر دیتا ہے۔ بدھ مت کے بالکل برعکس اسلام اپنے پیروؤں کو ایسے تارک الدنیا بھکشو نہیں بناتا جو عائلی' معاشرتی اور معاشی ذمہ داریوں سے بھاگیں اور معاشرہ پر بوجھ یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے الفاظ مبارکہ میں "عیالاً علی المسلمین" ہوں۔ آپؓ کے عہد مبارک میں کچھ زیادہ ہی "متوکل" لوگوں نے معاشی جدوجہد ترک کر کے "نحن المتوکّلون علی اللّٰہ" (ہم تو اللہ پر توکل کرنے والے ہیں) کا نعرہ لگانا شروع کر دیا تو آپؓ نے اس غیر اسلامی رجحان کو ختم کرنے کے لئے انہیں کوڑے لگوائے۔ یہ نہایت ضروری تعزیر تھی کیونکہ یہ لوگ قرآنی احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ سورۃ الجمعہ میں جہاں یہ حکم ہے کہ "جب جمعہ کی نماز کے لئے اذان ہو جائے تو خرید و فروخت (اور دوسرے کاروبار) چھوڑ کر اللہ کے

ذکر کی طرف بھاگ کر آؤ۔" وہاں ساتھ ہی یہ حکم بھی ہے کہ "جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل کی تلاش کرو" (آیات ۹'۱۰) انہی معنوں میں حدیث مبارکہ ہے : ((کسب الحلال فریضۃٌ بعدَ الفریضۃ)) "حلال روزی کمانا فریضہ کے بعد فریضہ ہے"۔ حضور پاک ﷺ نے اپنے ایک محنت کش صحابی کے ان ہاتھوں کو فرطِ محبت سے چوما تھا جن پر کسب حلال کے دوران گٹے پڑ گئے تھے۔ سورۃ المزّمل میں جہاں ﴿وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلاً﴾ (۷۳ : ۸) کا حکم ہے اور نصف یا کم و بیش رات کے قیام کے لئے ارشاد کیا گیا ہے۔ (آیات ۲'۳) وہاں کسب حلال یا ابتغاء فضل اللہ کے لئے زمین میں سفر کرنے والوں اور (اقامت دین کے لئے) جہاد کرنے والوں کا بھی ذکر ہے۔ (آیت ۲۰)

دین و دنیا کا یہ حسین امتزاج' اللہ تعالیٰ کے ساتھ گہرے اور دائمی تعلق کے ساتھ ساتھ معاشرتی روابط اور ذمہ داریوں کا شدید احساس اور تکمیل' اسلامی تعلیمات کا امتیازی پہلو ہے۔ دوسری ثقافتوں میں ایسی کامل اور کثیر الجہات شخصیتوں کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جو اسلام نے پیدا کیں اور تا قیامت پیدا کرتا رہے گا۔ دوسری تہذیبوں میں پرورش پانے والے لوگوں کے لئے یہ بڑی اچنبھے کی بات ہے کہ ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو دنیا کے دروازے کو دین کی چابی سے کھولیں۔ اقبال نے حضور ﷺ کے کارنامے کا یوں تذکرہ کیا تھا کہ ع از کلیدِ دیں درِ دنیا کشاد! بہرحال یہی اسلام کا معجزہ اور نصب العین ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن و سنت کی تعلیمات پر عمل کر کے دنیا و آخرت میں کامیابیاں حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

کتابتِ مصاحف اور عِلمِ ضبط (۳)

علاماتِ ضبط کی ابتداء، ان کے متنوع ارتقاء اور ان کے زمانی اور مکانی ممیّزات کا اجمالی جائزہ

—— پروفیسر حافظ احمد یارؒ ——

۲۳۔ جب الخلیل بن احمد الفراہیدی نے دوسری صدی ہجری کے اواخر میں علاماتِ ضبط کا یہ نیا طریقہ وضع کیا تو اس وقت تک ابو الاسود کا ایجاد کردہ طریقہ نقاط (نَقْط) کتابت مصاحف کے لئے پوری دنیائے اسلام کے مغربی اور مشرقی تمام حصوں میں استعمال ہو رہا تھا، بلکہ اس میں مزید اصلاحات اور نئی نئی علامات کی ایجاد سے یہ طریقہ زیادہ مکمل اور قرآن کریم کی قراءت اور تجوید کی بہت سی ضرورتوں اور نطقی و صوتی تقاضوں کے لئے کافی و مکتفی بن چکا تھا۔ اس لئے شروع میں کافی عرصہ تک لوگ کتابت مصاحف کے لئے الخلیل کے طریقے کی بجائے ابو الاسود والے طریق نقط کا استعمال ہی جائز سمجھتے تھے۔ الخلیل کا طریقہ کافی عرصہ تک صرف کتب شعر اور دیگر غیر قرآنی عربی عبارات میں استعمال ہوتا تھا۔ بلکہ اسی وجہ سے اور "شکل المصحف" کے طریقۂ نقط سے ممتاز کرنے کے لئے اسے "شکل الشعر" (یعنی شعروں میں حرکات لگانے کا طریقہ) بھی کہتے تھے۔ دونوں قسم کے "شَکْل" کی صوری خصوصیات کی بنا پر ابو الاسود والے طریقے کو "الشکل المدور" اور مؤخر الذکر کو "الشکل المستطیل" بھی کہتے تھے۔

☆ مغرب (یعنی سپین اور افریقی ممالک) میں تو کتابت مصاحف کے لئے علاماتِ ضبط کے طور پر ابو الاسود کے طریق نقط کو ایک قسم کی تقدیس کا درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ ابو عمرو عثمان بن سعید الدانی (م ۴۴۴ھ)، جو رسم عثمانی اور علاماتِ ضبط بذریعہ "النقط المدور" کے بہت بڑے عالم تھے اور ان فنون میں انہوں نے یادگار تصانیف چھوڑی ہیں، اپنی کتاب

"المحکم فی نقط المصاحف" میں الخلیل کے طریقے کے کتابت مصاحف میں استعمال کو "بدعت" اور ابوالاسود والے طریقے کو "طریق سلف" قرار دیتے ہیں۔ اور بڑی دلیل ان کی یہ ہے کہ یہ طریقہ (یعنی نقط) ایک تابعی بزرگ (ابوالاسود) نے شروع کیا تھا اور انہوں نے کتابت علامت کے لئے اپنے منتخب کاتب سے "فَانْقُطْ" اور "اِجْعَلَ نُقْطَةً" (یعنی میری ہدایت کے مطابق ـــــ نقطے لگاؤ) کے الفاظ کہے تھے۔ (۵۲)

☆ یہی وجہ تھی کہ مغرب میں نَقْطِ مصاحف کا یہ پہلا طریقہ بلادِ مشرق کے مقابلے پر زیادہ عرصے تک رائج رہا بلکہ صفدی کے بیان کے مطابق اب تک بھی بلادِ مغرب میں کہیں کہیں یہی طریقہ استعمال کیا جاتا ہے (۵۳) اور بعد میں جب الخلیل کا طریقہ وہاں بھی رائج ہو گیا' تب بھی کتابت مصاحف میں کئی علامات' حتیٰ کہ دورِ طباعت میں بھی' ابوالاسود کے طریق نقط والی ہی برقرار رہیں۔ تونس' نائجیریا' غانا' مراکش اور سوڈان کے مصاحف میں اسے مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ البتہ متشابہ حروف کو متمیز کرنے کے لئے حجاج ـــــ یا یحییٰ اور نصر ـــــ والے طریقہ نقط الاعجام کو وہاں بھی شروع ہی میں اختیار کر لیا گیا تھا۔ اور اس فرق کی وجہ بھی غالباً یہ بنی کہ پہلی دو اصلاحات (ابوالاسود اور یحییٰ و نصر کا عمل) کے درمیان مدت کم تھی مگر الخلیل کا طریقہ اس سے قریباً سو سال بعد ایجاد ہوا۔ اس لئے اب وہ "سلف صالحین" کے طریقے کے خلاف معلوم ہونے لگا۔ اور اس نقط اعجام اور جدید ترتیب الضبائی میں بھی اہل مغرب کی کچھ ایسی خصوصیات ہیں جن کا ذکر ہم ابھی کر آئے ہیں۔

۲۴۔ تعلیمی اور تدریسی اہمیت اور افادیت کے لحاظ سے الخلیل کا طریقہ یقیناً بہتر تھا' اور ایک سیاہی کے استعمال کے باعث اس میں ایک سہولت بھی تھی' اس لئے بہت جلد یہ کتابت مصاحف میں بھی استعمال کیا جانے لگا۔ عالم اسلام کے مشرقی حصے میں تو اِس نے مکمل طور پر ابولاسود اور ان کے متبعین کے طریق نقط کی جگہ لے لی۔ خصوصاً خط نسخ کی ایجاد اور کتابت مصاحف میں اس کے استعمال کے بعد سے تو' الخلیل کے طریقے کو ہی قبول عام حاصل ہوا۔ علاماتِ ضبط بذریعہ نقاط کا طریقہ خط کوفی [جو کتابت مصاحف میں مستعمل خط جمیل کی پہلی صورت تھی] کے لئے تو زیادہ موزوں تھا' اس لئے کہ خطِ کوفی اکثر و بیشتر

جلی قلم سے لکھا جاتا تھا۔ خط نسخ میں بالعموم نسبتاً باریک قلم استعمال ہوتا تھا اور اس کے لئے نقط بذریعہ حرکات کا طریقہ ہی زیادہ موزوں تھا ـــــ اور شاید یہ بھی ایک وجہ تھی کہ آہستہ آہستہ اس کا رواج بلاد مغرب میں بھی ہو گیا۔ مشرق اور مغرب میں ساتویں صدی ہجری تک (کے لکھے ہوئے) بعض ایسے مصاحف نظر آتے ہیں جن میں علاماتِ ضبط بعض دفعہ دونوں طریقوں سے (ملی جلی) بھی استعمال کی گئی ہیں اور بعض علماء ضبط سے اس کی اجازت بھی ثابت ہے۔ (۵۴)

۲۵۔ ابھی یہ بتایا جا چکا ہے کہ نقاط کے ذریعے شکل المصاحف کا طریقہ طویل استعمال اور قریباً تین صدیوں کی اصلاحات کی وجہ سے قراءت اور تجوید کی اکثر و بیشتر ضروریات کے لئے زیادہ موزوں اور مکمل و مکتفی "نظامِ ضبط" بن چکا تھا۔ بلکہ اس دوران قراءت سبعہ کی تدوین بھی عمل میں آ گئی اور نقط و شکل کا یہ طریقہ مختلف روایات مثلاً حفص، قالون، ورش اور الدوری وغیرہ کی مختص نطقی اور صوتی کیفیات کی رعایت کے لئے بھی موزوں کر لیا گیا تھا (۵۵)۔ اس لئے الخلیل کے طریقے کے متبعین نے بھی اس قسم کی تمام ضروریات کے لئے نقط المصاحف کے (اس سابقہ طریقے کے) اصول اور قواعد کو ہی اپنا رہنما بنایا۔ مثلاً پرانے طریقے کے مطابق "اظہار" کے لئے تنوین رفع و نصب کی صورت میں حرف منون کے اوپر، اور تنوین جر کے لئے حرف کے نیچے، دو متراکب (اوپر نیچے) نقطے (:) لگائے جاتے تھے اور "اخفاء" کے لئے اسی طرح حرف کے اوپر یا نیچے دو متتابع (آگے پیچھے) نقطے (..) لگائے جاتے تھے (۵۶) نقط بالحرکات کی صورت میں اظہار کے لئے کتابتِ تنوین (مکرر حرکات) کی یہ شکل اختیار کی گئی (ـً ـٍ ـٌ)۔ اسے اصطلاح میں ترکیب کہتے ہیں۔ اور اخفاء کے لئے اس سے مختلف صورت لے لی گئی (ـَ ـِ ـُ) اور اسے اصطلاح میں اتباع کہتے ہیں (۵۷)۔ اسی طرح ادغام، اقلاب، امالہ وغیرہ کے لئے نقط کے پرانے طریقے کو ضرورت کے مطابق ڈھال لیا گیا۔ مثلاً پہلے نون ساکنہ ما قبل با (ب) کے اقلاب بامیم کے لئے "ن" کو علامت سکون سے اور "ب" کو علامت تشدید سے معریٰ رکھتے تھے یا "ن" پر سرخ سیاہی سے چھوٹی سی میم (م) بنا دیتے تھے۔ نقط بالحرکات میں اسی دوسرے طریقے کو اپنا لیا گیا۔ (۵۸)

۲۶۔ اس طرح مجموعی طور پر بلادِ مغرب اور بلادِ مشرق میں مختلف قسم کی علاماتِ ضبط رائج ہو گئیں۔ مگر اس تنوع سے صحت قراءت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ہر علاقے کے لوگ اپنے ہاں کی رائج علاماتِ ضبط سے واقف ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ بچپن سے ہی سب اسی مخصوص طریق ضبط کے مطابق قرآن مجید پڑھنا سیکھتے ہیں۔ البتہ ایک علاقے کے لوگوں کو دوسرے علاقوں کے مصاحف سے تلاوت کرنے میں ضرور دقت پیش آسکتی ہے' اگرچہ قراء اور حفاظ کے لئے یہ بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ عرب اور افریقی ممالک میں علاماتِ ضبط کی ان اصلاحات میں عموماً عربی زبان کے قواعد (صرف و نحو) کو زیادہ ملحوظ رکھا گیا ہے جبکہ بلادِ مشرق میں زیادہ تر صوت اور تلفظ کی ضروریات کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

عِلم الضّبط کی تدوین :

۲۷۔ علم الضبط ایک عملی فن تھا اور مصاحف کے کاتب اور ناقط عموماً اس کی عملی تطبیقات سے واقف ہوتے تھے۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ کاتب (خوشنویس) حضرات میں سے کم ہی اہل علم ہوتے ہیں۔ اس لئے اس فن کے علماء نے ابتدائی دور سے ہی کُتّابِ مصاحف کی رہنمائی کے لئے رسم' ضبط اور وقف و وصل وغیرہ کے اصول و قواعد پر مستقل تالیفات تیار کرنا شروع کر دی تھیں۔ بہت سے دوسرے اسلامی علوم کی طرح علم الضبط میں بھی تالیف کی ابتداء "نَقْط و شَکْل" پر چھوٹے رسالوں یا کتابچوں سے ہوئی۔ آہستہ آہستہ محض علامات اور رموز کے بیان کے علاوہ فن کی مختصر تاریخ اور اس کے اصول و قواعد کے ساتھ ان کے علل و اسباب اور بعض دیگر مباحث کا بیان بھی ساتھ شامل کیا جانے لگا [مثلاً یہ بحث کہ کیا ایک ہی مصحف میں مختلف قراءات کے لئے الگ لگ علاماتِ ضبط اور مختلف رنگوں سے لگانا درست ہے؟ کیا ہر ایک حرف کو "مضبوط" کرنا ضروری ہے یا صرف التباس سے بچنے والے مقامات پر ہی علاماتِ ضبط لگانی چاہئیں وغیرہ] اس طرح اس فن کی جامع تالیفات وجود میں آئیں۔

۲۸۔ قواعد نقط و شکل (علم الضبط) پر سب سے پہلی تالیف کے طور پر ابو الاسود کی طرف منسوب ایک "مختصر" (رسالہ) کا ذکر کیا جاتا ہے (۵۹)۔ لیکن غالباً یہ رسالہ قواعد نقط کی

بجائے قواعد نحو کے بارے میں تھا جو کُل چار اوراق پر مشتمل تھا[۶۰]۔ ابن الندیم نے "الکتب المؤلفة فی النقط و الشکل للقرآن" کے تحت صرف چھ اشخاص کی کتابوں کا ذکر کیا ہے یعنی الخلیل (م ۱۷۰ھ)، محمد بن عیسیٰ الاصفہانی (م ۲۵۳ھ)، یزیدی (م ۲۰۲ھ)، ابن الانباری (م ۳۲۷ھ)، ابو حاتم بجستانی (م ۲۵۵ھ) اور دینوری (م ۲۸۲ھ)[۶۱]۔ الدانی کی المحکم فی نقط المصاحف کے محقق ڈاکٹر عزۃ حسن نے ان چھ کے علاوہ دس مزید علماء ضبط کا ذکر کیا ہے جن میں سے بلحاظ ترتیب زمانی آخری نام علی بن عیسیٰ الرمانی (م ۳۸۱ھ) کا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان میں سے کسی کی تالیف ہم تک نہیں پہنچی ہے[۶۲] البتہ بعد میں آنے والی کتابوں میں ان تالیفات کے اقتباسات ملتے ہیں۔ المحکم میں الدانی (م ۴۴۴ھ) نے بعض ایسے لوگوں کا بھی ذکر کیا ہے جنہوں نے اس فن میں شاید کوئی تالیف تو نہیں چھوڑی مگر وہ اپنے زمانے کے یا اپنے علاقے کے مشاہیر ناقطین مصاحف میں سے تھے۔[۶۳]

۲۹۔ اس فن کی جو تالیفات ہم تک پہنچی ہیں ان میں سے اہم اور جامع تصنیف ابو عمرو عثمان بن سعید الدانی کی المحکم فی نقط المصاحف ہے [جو دمشق سے ۱۹۶۰ء میں ڈاکٹر عزۃ حسن کی تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکی ہے] اسی موضوع پر الدانی کی ایک مختصر "کتاب النقط و الشکل" بھی ہے جو "المحکم" سے پہلے کی تصنیف ہے اور جو اس کی علم الرسم پر مشہور کتاب "المقنع" کے ساتھ دمشق سے ہی ۱۹۴۰ء میں شائع ہوئی تھی۔ غالباً اس موضوع پر الدانی کی ایک تیسری تالیف (التنبیه علی النقط و الشکل) بھی تھی۔[۶۴]

الدانی کے بعد اس موضوع پر اہم تالیف الخراز (م ۷۱۸ھ) کا ۱۴۵ ابیات پر مشتمل ایک ارجوزہ ہے جس کا عنوان "ضبط الخراز" ہے اور یہ خراز کی علم الرسم پر مشہور کتاب مورد الظمآن کا تتمہ ہے، خراز کے اس ارجوزے کی شرحوں میں سے مشہور شرح التنسی (م ۸۹۹ھ) کی "الطراز فی شرح ضبط الخراز" ہے[۶۵]۔ یہ کتاب ابھی تک شائع نہیں ہوئی البتہ اس کے مخطوط نسخے متعدد کتب خانوں میں موجود ہیں۔ اس کتاب میں بنیادی طور پر الخلیل ہی کے طریقے کا اتباع کیا گیا ہے۔

۳۰۔ ان مستقل تالیفات کے علاوہ بعض کتابوں میں ضمناً اور جزوی طور پر نقط و شکل کے قواعد سے بھی بحث کی گئی ہے۔ مثلاً ابن ابی داوٗد کی کتاب المصاحف میں ایک فصل "کیف تنقط المصاحف" میں ابو حاتم سجستانی کی اس موضوع پر کتاب کے خاصے حصے نقل کئے گئے ہیں (۶۶)۔ دیگر مطبوعہ کتابوں میں سے ابن درستویہ (م ۳۴۶ھ) کی "کتاب الکتاب" میں اعجام اور شکل پر کچھ فصول ہیں (۶۷)۔ قلقشندی کی صبح الاعشی کی تیسری جلد میں بھی نقط اور شکل کے بارے میں عمدہ معلومات ملتی ہیں۔ علم الرسم پر لکھی گئی اب تک غیر مطبوعہ کتابوں میں سے بھی بعض کے آخر میں علم الضبط پر بات کی گئی ہے۔

۳۱۔ علم الضبط کے اصول و قواعد پر مشتمل جن کتابوں یا بعض فصول کا اوپر ذکر ہوا ہے، ان میں وہ کتابیں بھی ہیں جو ابو الاسود اور ان کے متبعین کے نظام نقط و شکل سے بحث کرتی ہیں اور کچھ وہ بھی ہیں جو الخلیل کے طریقے پر مبنی ہیں۔ لیکن بہرحال ان سب میں بیان کردہ قواعد کا اطلاق قلمی مصاحف پر ہوتا تھا۔ کیونکہ ان میں رسم اور ضبط کی بہت سی علامات اور رموز متن کی سیاہی کی بجائے مختلف رنگوں (مثلاً سرخ، سبز اور زرد) میں لکھی جاتی تھیں (۶۹)۔ دورِ طباعت میں رنگوں کا یہ تنوع برقرار رکھنا دشوار تھا، اس لئے طباعت کے تقاضوں کے مطابق بعض علاماتِ رسم و ضبط کو تبدیل کرنا پڑا۔ ان جدید قواعد کے لئے ضبط مصاحف پر کچھ نئی تالیفات بھی وجود میں آئیں۔ ان میں سے الشیخ محمد علی الضباع کی "سمیر الطالبین" الشیخ احمد ابو ذیتحار کی "السبیل الی ضبط کلمات التنزیل" اور الشیخ محمد سالم محیسن کی "ارشاد الطالبین الی ضبط الکتاب المبین" قابل ذکر ہیں۔

۳۲۔ اس کے علاوہ دورِ طباعت میں مصاحف کے آخر پر ایک معلوماتی ضمیمہ "التعریف بھذا المصحف" کے عنوان سے شامل کرنے کا رواج ہو گیا ہے، جس میں مصحف کے اندر استعمال کردہ طریق رسم و ضبط کی بھی وضاحت کی جاتی ہے۔

۱۔ اس قسم کے ضمیموں میں سے مشہور اور اولین وہ ضمیمہ ہے جو ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۳ء میں مصر سے چھپنے والے "مصحف الملک" یا نسخہ امیریہ کے ساتھ شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد سے متعدد مصاحف کے ساتھ اس قسم کے معلوماتی ضمیمے شائع ہو چکے ہیں۔

۳۰۔ ان مستقل تالیفات کے علاوہ بعض کتابوں میں ضمناً اور جزوی طور پر نقط و شکل کے قواعد سے بھی بحث کی گئی ہے۔ مثلاً ابن ابی داؤد کی کتاب المصاحف میں ایک فصل "کیف تنقط المصاحف" میں ابو حاتم سجستانی کی اس موضوع پر کتاب کے خاصے حصے نقل کئے گئے ہیں (۶۶)۔ دیگر مطبوعہ کتابوں میں سے ابن درستویہ (م ۳۴۶ھ) کی "کتاب الکتاب" میں اعجام اور شکل پر کچھ فصول ہیں (۶۷)۔ قلقشندی کی صبح الاعشی کی تیسری جلد میں بھی نقط اور شکل کے بارے میں عمدہ معلومات ملتی ہیں۔ علم الرسم پر لکھی گئی اب تک غیر مطبوعہ کتابوں میں سے بھی بعض کے آخر میں علم الضبط پر بات کی گئی ہے۔

۳۱۔ علم الضبط کے اصول و قواعد پر مشتمل جن کتابوں یا بعض فصول کا اوپر ذکر ہوا ہے، ان میں وہ کتابیں بھی ہیں جو ابو الاسود اور ان کے متبعین کے نظام نقط و شکل سے بحث کرتی ہیں اور کچھ وہ بھی ہیں جو الخلیل کے طریقے پر مبنی ہیں۔ لیکن بہرحال ان سب میں بیان کردہ قواعد کا اطلاق قلمی مصاحف پر ہوتا تھا۔ کیونکہ ان میں رسم اور ضبط کی بہت سی علامات اور رموز متن کی سیاہی کی بجائے مختلف رنگوں (مثلاً سرخ، سبز اور زرد) میں لکھی جاتی تھیں (۶۹)۔ دورِ طباعت میں رنگوں کا یہ تنوع برقرار رکھنا دشوار تھا، اس لئے طباعت کے تقاضوں کے مطابق بعض علاماتِ رسم و ضبط کو تبدیل کرنا پڑا۔ ان جدید قواعد کے لئے ضبط مصاحف پر کچھ نئی تالیفات بھی وجود میں آئیں۔ ان میں سے الشیخ محمد علی الضباع کی "سمیر الطالبین" الشیخ احمد ابو ذیتحار کی "السبیل الی ضبط کلمات التنزیل" اور الشیخ محمد سالم محیسن کی "ارشاد الطالبین الی ضبط الکتاب المبین" قابل ذکر ہیں۔

۳۲۔ اس کے علاوہ دورِ طباعت میں مصاحف کے آخر پر ایک معلوماتی ضمیمہ "التعریف بھذا المصحف" کے عنوان سے شامل کرنے کا رواج ہو گیا ہے، جس میں مصحف کے اندر استعمال کردہ طریق رسم و ضبط کی بھی وضاحت کی جاتی ہے۔

۱۔ اس قسم کے ضمیموں میں سے مشہور اور اولین وہ ضمیمہ ہے جو ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۳ء میں مصر سے چھپنے والے "مصحف الملک" یا نسخہ امیریہ کے ساتھ شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد سے متعدد مصاحف کے ساتھ اس قسم کے معلوماتی ضمیمے شائع ہو چکے ہیں۔

ان میں سے حسب ذیل مصاحف کے "تعریفی ضمیمے" ہمارے موضوع یعنی علامات ضبط کے سلسلے میں قابل ذکر ہیں۔

۲۔ (مذکورہ بالا مصحف الملک کے بعد (۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء میں قاہرہ سے ہی "مصحف مصطفی الحلبی" کے نام سے ایک نسخۂ قرآن شائع ہوا جس کے آخر پر بیان کردہ "اصطلاحات الضبط" اس لحاظ سے قابل ذکر ہیں کہ ان میں بعض نئی علامات ضبط بالکل پہلی دفعہ بیان ہوئی ہیں اور بعض ایسی علامات ضبط اختیار کر لی گی ہیں جو مصر اور عرب ملکوں میں رائج نہیں، مگر مشرقی اسلامی ملکوں خصوصاً برصغیر میں رائج ہیں۔ (۷۰)

۳۔ حکومت شام کے زیر اہتمام ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء میں شائع ہونے والا مصحف، جس کے آخر پر جداول کی شکل میں اصطلاحات الضبط کا مختصر مگر جامع بیان موجود ہے۔ (۷۱)

۴۔ اسی سال (۱۳۹۲ھ) پیکجز لمیٹڈ، لاہور نے "تجویدی قرآن مجید" شائع کیا۔ اس کے ساتھ بھی مولوی ظفر اقبال صاحب مرحوم کا مرتب کردہ قریباً بیس صفحات کا ایک مقدمہ شامل ہے۔ اس میں انہوں نے مصحف میں مستعمل علامات ضبط کی تفصیل دی ہے۔ ان میں سے بعض علامات مصحف حکومت مصر (مصحف الملک) سے اور بعض مصحف مصطفی الحلبی سے قدرے ترمیم کے ساتھ ماخوذ ہیں اور بعض بالکل نئی علامات ہیں، جو مولوی صاحب کی ہی وضع کردہ ہیں۔ مثلاً اسم جلالۃ کے "ل" اور حرف "ر" کی ترقیق یا تفخیم کی علامات جو اس سے پہلے کسی مصحف میں استعمال نہیں ہوئیں۔ پاکستانی مصاحف میں سے یہ واحد مصحف ہے جس میں نہ صرف رسم عثمانی کی پابندی کی گئی ہے بلکہ مصحف میں مستعمل علامات ضبط کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

۵۔ ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء میں سوڈان سے ایک مصحف بروایۃ الدوری عن ابی عمرو البصری اور بکتابت محمود ابو زید، حکومت سوڈان کے اہتمام سے شائع ہوا۔ اس کے آخر پر ۱۸ صفحات کا ایک "تعریفی ضمیمہ" ہے جس میں سے دس صفحات علامات و اصطلاحات ضبط سے متعلق ہیں۔ اس مصحف کے ساتھ حکومت سوڈان نے ایک

کتابچہ بعنوان "کتابۃ المصحف الشریف" بھی شائع کیا تھا جس میں اس مصحف کی تیاری کی ساری کہانی بیان کی گئی ہے۔ اس کتابچہ میں علامات ضبط (خصوصاً صلہ، امالہ، تسہیل الھمزہ اور اختلاس جو روایۃ دوری میں متداول ہیں) سے متعلق بحث، کچھ تجاویز اور ان پر تنقید وغیرہ کا دلچسپ اور معلومات افزاء بلکہ فکر انگیز بیان موجود ہے۔ (۷۲)

۶ و ۷۔ تونس سے بروایۃ قالون عن نافع دو مصاحف حال ہی میں شائع ہوئے ہیں۔ ایک ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء میں عبدالعزیز الخماسی کی کتابت کے ساتھ (ناشر مؤسسات عبدالکریم بن عبداللہ)، دوسرا ۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء میں الحاج زہیر کی کتابت کے ساتھ (ناشر الدار التونسیۃ)۔ ان ہر دو مصاحف کے آخر پر دس اور بارہ صفحات پر مشتمل معلومات افزاء "ضمیمۃ التعریف" شامل ہیں۔

۸۔ ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء میں سعودی حکومت کے زیر اہتمام ایک ایڈیشن بعنوان "مصحف المدینۃ النبویۃ" شائع ہوا ہے۔ یوں تو یہ نسخہ ہر لحاظ سے دمشق سے الدار الشامیہ کے زیر اہتمام بکتابت عثمان طہ شائع ہونے والے نسخے کی نقل ہے۔ مگر اس کے آخر پر دس صفحات کا ایک "ضمیمۃ التعریف" بھی شامل ہے جس میں مصری نسخے کے ضمیمے پر کچھ اضافے بھی ہیں۔

۹۔ حکومت لیبیا کے زیر اہتمام ابھی پچھلے سال (۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۶ء) [یہ سال ہجری ہم نے لکھا ہے، لیبی حکومت نے سنۃ ہجریۃ کا استعمال ترک کر دیا ہے] ایک نسخہ قرآن "مصحف الجماھیریہ" کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ یہ نسخہ بھی روایت قالون عن نافع پر مبنی ہے اور اس کی کتابت ابوبکر الساسی نے کی ہے۔ اس مصحف کے آخر پر قریباً پندرہ صفحات پر مشتمل ایک "ضمیمۃ التعریف" شامل ہے۔ اس ضمیمہ سے علامات ضبط کے بارے میں کچھ نئی اور دلچسپ معلومات حاصل ہوتی ہیں جو دوسرے مصاحف کے اس قسم کے ضمیموں میں نہیں پائی جاتیں۔ (۷۳)

۳۳۔ علم الضبط کی کتابوں اور مصاحف کے ساتھ شامل تعارفی ضمیموں کے علاوہ، کتابتِ مصاحف میں علامات ضبط کے تنوع اور اس فن کے اصول و قواعد کی

عملی تطبیقات سے آگاہی حاصل کرنے کا تیسرا بڑا ذریعہ مختلف ملکوں اور مختلف زمانوں میں لکھے گے وہ قلمی مصاحف بھی ہیں جو دنیا بھر کے پبلک اور پرائیویٹ ذخیروں میں اب بھی بکثرت موجود ہیں۔ اگرچہ ان تک رسائی اور تقابلی مطالعہ کے لئے ان کا حصول کار دشوار ہے[۷۴]۔ البتہ ان میں سے بعض کے نمونے رنگ دار طباعت کے ذریعے بعض کتابوں میں یا دوسری صورتوں میں دستیاب ہیں اور اہل ذوق ان سے استفادہ کر سکتے ہیں[۷۵]۔ سادہ فوٹو طباعت میں بھی (یعنی سفید و سیاہ میں بھی) بعض نمونے ملتے ہیں۔ مگر ان سے رنگ دار علامات ضبط کے استعمال کی کیفیت معلوم نہیں کی جا سکتی۔ (جاری ہے)

حواشی

۵۲۔ المحکم ص ۴۳ نیز غانم ص ۵۰۱ ببعد۔

۵۳۔ صفدی ص ۱۴۔

۵۴۔ حوالہ نمبر ۵۳، غانم ص ۵۲۲ بحوالہ ابن المناوی نیز دیکھئے لنگز (II) پلیٹ نمبر ۴۵، ۹۷ اور ۹۸۔

۵۵۔ ماہرین فن تو فن کی مخصوص کتابوں کے ذریعے تمام ہی قراءات کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔ یہاں ہم نے صرف چار روایات کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ زیادہ تر یہی مختلف علاقوں میں رائج ہو گئی تھیں اور ان علاقوں میں عوام کے لئے تیار کردہ مصاحف میں حسب روایت ہی ضبط کا خیال رکھنا پڑتا تھا —— اور قراءات کا یہ انتشار اور رواج اب تک جاری ہے۔ مثلاً اس وقت حفص کی روایت تمام ایشائی ممالک اور مصر میں، قالون کی روایت لیبیا اور تیونس میں، ورش کی روایت مراکش، نائیجیریا اور غانا میں اور الدوری کی روایت یمن اور سوڈان میں رائج ہے۔ اور ان روایات و قراءات کے مطابق مصاحف مطبوعہ دستیاب ہیں۔

۵۶۔ المقنع ص ۱۲۷۔

۵۷۔ الطراز ورق ۱۲/ب نیز دیکھئے المحکم ص ۷۲ جہاں اسے "نقط علی الطول" اور "نقط علی العرض) کہا گیا ہے۔

۵۸۔ المحکم ص ۷۶-۷۵ اور الطراز ورق ۱۷/ب۔

۵۹۔ المحکم ص ۴

۶۰۔ الفہرست ص ۶۱

۶۱۔ الفہرست ص ۵۳' ابن الندیم نے یزیدی کی وضاحت نہیں کی۔ ڈاکٹر عزۃ حسن نے اپنے مقدمہ میں یحییٰ بن مبارک یزیدی (م ۲۰۲ھ) اور اس کے تین بیٹوں (یزیدیون) کا ذکر کیا ہے۔ مگر زرکلی نے صرف ابراہیم بن یحییٰ (م ۲۲۵ھ) کا مؤلف "کتاب النقط والشکل" ہونا بیان کیا ہے۔ دیکھئے الاعلام ج ۱ ص ۲۴۸ و ج ۹ ص ۷۴۔

۶۲۔ المحکم (مقدمۂ محقق) ص ۳۳-۳۲

۶۳۔ نفس المصدر (المحکم) ص ۹

۶۴۔ حوالہ نمبر ۶۲ ص ۲۵

۶۵۔ الطراز ورق ۱/ب' نیز غانم ص ۴۸۲

۶۶۔ المصاحف : ص ۱۴۴ ببعد

۶۷۔ ابن درستویہ ص ۵۳ ببعد (دو فصلیں)

۶۸۔ دیکھئے غانم ص ۴۸۲ ببعد

۶۹۔ ملاحظہ ہو الطراز ورق ۱۲۶/ب ببعد۔

۷۰۔ مصحف الحلبی ص ۵۲۴۔ اس مصحف کے ضمن میں ایک قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۶۰ء کے درمیان فقیر وحید الدین کے زیر اہتمام اسی مصحف کے عکس پر مبنی ایک خوبصورت رنگ دار ایڈیشن شائع ہوا تھا۔ پھر اسی کی ایک ہو بہو نقل تاج کمپنی نے بھی شائع کر دی تھی۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ اس پاکستانی نسخے کے آخر پر اصطلاحات الضبط کا اصلی مصری نسخے والا بیان تو جوں کا توں موجود ہے لیکن مصحف کے اندر بعض مذکورہ علامات کو بدل دیا گیا ہے۔ معلوم نہیں یہ کیوں اور کیسے کیا گیا ہے۔ غالباً غیر مانوس علامات ضبط کے بارے میں جہالت اور تعصب ہی اس تبدیلی کا باعث بنا۔

۷۱۔ ابن الندیم نے سجستانی کی کتاب النقط والشکل کا بھی "بجد اول و دارات" ہونا بیان کیا ہے۔ دیکھئے الفہرست ص ۵۳۔

۷۲۔ پوری تفصیل کے لئے دیکھئے "کتابۃ المصحف" (مذکورہ کتابچہ) ص ۱۸ تا ۶۳۔

۷۳۔ مذکورہ بالا جن مصاحف کے ساتھ روایت قراءت کی تصریح نہیں کی گئی وہ سب بروایۃ حفص عن عاصم ہیں۔ روایۃ ورش عن نافع پر مبنی متعدد ملکوں کے مطبوعہ مصاحف عام ملتے ہیں مگر ان میں سے کسی کے ساتھ اس قسم کا ضمیمہ برائے تعارف علاماتِ ضبط دیکھنے میں نہیں آیا۔

۷۴۔ غانم ص ۱۰۔ ڈاکٹر غانم کو اپنی کتاب "رسم المصحف" کے لئے "دار الکتب المصریہ" سے بمشکل نو (۹) قلمی مصاحف سے استفادہ کا موقع مل سکا۔ دیکھئے ان کی فہرست مصادر ص ۷۸۵ ببعد۔

۷۵۔ مثلاً لنگز کی دونوں کتابیں (۱-۱۱) آربری کی کتاب' بعض رسائل اور جرائد میں شائع ہونے والے نمونے یا مثلاً برٹش لائبریری بورڈ کے شائع کردہ "قرآن کارڈ" وغیرہ۔

مرکزی انجمن خُدّام القرآن لاہور کے

سالانہ محاضراتِ قرآنی

مہمان مقرر جناب عمران این حسین کے خطبات کی تلخیص

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام یکم سے ۴/ نومبر ۱۹۹۸ء تک قرآن آڈیٹوریم میں سالانہ محاضرات قرآنی کا انعقاد ہوا۔ اس مرتبہ تنظیم اسلامی شمالی امریکہ کے ڈائریکٹر برائے دعوۃ جناب عمران این حسین صاحب نے نہایت اہم موضوعات پر چار خطبات بزبانِ انگریزی ارشاد فرمائے۔

پہلے خطبہ کا عنوان "*Islam and the end of history*" تھا۔ یعنی "تاریخ انسانی کا آخری دور اسلامی نقطۂ نظر سے" ـــــ فاضل مقرر نے تاریخ اور فلسفہ تاریخ سے متعلق ہندو، مسیحی، یہودی اور جدید مغربی تصورات بیان کئے۔ انہوں نے کہا کہ اسلامی نقطۂ نظر سے تاریخ انسانی حق و باطل کی کشاکش سے عبارت ہے۔ جناب عمران این حسین نے اپنے استاد جناب ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کے حوالہ سے کہا کہ تاریخی عمل کو اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء اور آسمانی کتابوں کے ذریعے بار بار صراطِ مستقیم کی طرف موڑتا رہا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے ذریعے "الحق" کا "الباطل" کے اوپر ہمہ گیر اور فیصلہ کن غلبہ ہوا۔ تاریخی عمل اس وقت تک مکمل نہیں ہو گا جب تک کہ یہی غلبہ ایک مرتبہ پھر نہ ہو۔ جناب عمران این حسین نے کہا کہ اسلامی نقطۂ نظر سے تاریخ انسانی کے اختتام سے پہلے ایک ایسا آخری دور آنا ہے جس میں اللہ تعالیٰ انسانوں کو مختلف فتنوں کے ذریعے آزمائے گا۔ آج ہم اسی "دورِ فتن" میں سانس لے رہے ہیں اور ہمارے اس عہد کی خصوصیت "دھوکہ" اور "دجل" ہے۔ انہوں نے کہا کہ احادیث کی پیشین گوئیوں کے مطابق اس آخری دور کی خصوصیات میں خلافت کا خاتمہ، جج کا معطل ہونا اور پوری دنیا پر ایک کافرانہ نظام کا تسلط شامل ہیں۔ جناب عمران این حسین نے کہا کہ

عالم غیب میں یاجوج ماجوج اور دجّال کا ظہور ہو چکا ہے اور شر کی یہی قوتیں دورِ حاضر کے فتنوں کے پس پشت کار فرما ہیں۔ تاریخ انسانی کے آخری دور کے دو اہم واقعات امام مہدی کا ظہور اور حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کا نزول ہیں۔

فاضل مقرر نے موجودہ عالمی تہذیب کی مندرجہ ذیل خصوصیات گنوائیں : غیر معمولی قوت جو ظالم کے حق میں استعمال ہوتی ہے' ایک واحد عالمی معاشرے (Global Society) کی تشکیل' خدا سے بیزاری' لادینیت اور مادہ پرستی کا تسلط' عوامی حاکمیت کے نام پر سیاسی شرک کا ظہور' سود کے ذریعے عالمی سطح پر انسانیت کا استحصال' آزادی نسواں کی تحریک' قدرتی وسائل کا اسراف اور بڑے پیمانے پر ضیاع' اللہ کی تخلیق کو تبدیل کرنے کی جسارت' زمین' سمندر اور فضا میں کیمیائی آلودگی۔ جناب عمران این حسین صاحب کہا کہ اس دورِ فتن میں صرف وہی افراد صراطِ مستقیم پر قائم رہ سکتے ہیں جو نبی اکرم ﷺ کے دامن سے خود کو وابستہ کرلیں۔

دوسرے خطبہ کا عنوان تھا :

"An Analysis of Present Economic Crisis and its Islamic Solution"

یعنی "موجودہ مالیاتی بحران کا تجزیہ اور اس کا اسلامی حل" ـــــ اس موضوع پر تقریر کرتے ہوئے جناب عمران این حسین نے سود پر مبنی موجودہ سرمایہ دارانہ نظام کی حقیقت کو واضح کیا۔ انہوں نے کہا کہ اس نظام میں مارکیٹ کا اصل کنٹرول چند بڑی بڑی corporations کے ہاتھوں میں آگیا ہے۔ مالی معاملات میں مفاد پرستی کو سب سے بڑی خوبی سمجھا جاتا ہے۔ اور دولت کمانے کے لئے جنگلوں اور دریاؤں جیسی قدرتی نعمتوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچانے سے دریغ نہیں کیا جاتا۔ انہوں نے کہا کہ آج کی عالمی معیشت ایک بہت بڑا جُوا خانہ بن گئی ہے' جس پر بینکرز اور سٹے بازوں (Speculators) کا تسلط ہے۔ مختلف کرنسیوں کی شرح تبادلہ اور مارکیٹ میں حصص کی قیمتوں میں مصنوعی کمی بیشی کے ذریعے چند افراد دولت کے ڈھیر اکٹھے کر رہے ہیں۔ مختلف بین الاقوامی معاہدات کے ذریعے عالمی بینکاری نظام اور سٹہ بازوں کے لئے معاشی تحفظ کا بندوبست

کیا جاتا ہے۔

جناب عمران این حسین نے کہا کہ موجودہ مالیاتی نظام کے ذریعے، جس میں کاغذی کرنسی کو مرکزی اہمیت حاصل ہے، انسانوں کا معاشی استحصال کیا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کاغذی کرنسی کو ترک کر کے دوبارہ سونے اور چاندی کے سکوں کو رائج کرنا ہو گا کیونکہ کاغذ کے نوٹوں کی اپنی کوئی قیمت نہیں ہوتی بلکہ ان کی قیمت کا دارومدار مارکیٹ کی صورت حال پر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس سونے اور چاندی کی اپنی قیمت (Intrinsic Value) ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ۱۹۷۱ء میں معاہدہ برٹن وڈ (Berettion woods agreement) ختم ہونے کے بعد کرنسیوں کی شرح مبادلہ فکسڈ (Fixed) کی بجائے فلوٹنگ (Floating) ہو گئی ہے۔ کرنسی کی قیمت میں کمی کی وجہ سے عوام کی قوت خرید میں مسلسل کمی ہو رہی ہے۔ جناب عمران این حسین نے واضح کیا کہ سود کی خباثتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے سونے اور چاندی کے سکوں کا استعمال ناگزیر ہے۔

تیسرے خطبہ کا عنوان تھا :

"An Islamic view of the development and use of nuclear weapons and the implications of Pakistan's emergence as a nuclear power"

یعنی "اسلامی نقطہ نظر سے ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری اور ان کا استعمال، نیز پاکستان کے ایٹمی قوت بننے کے متضمنات"۔

جناب عمران این حسین نے اسلام کے فلسفۂ جنگ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اسلام میں جنگ کا مقصد مظلوموں کو ظلم و جور سے نجات دلانا ہے۔ جنگ صرف آخری چارۂ کار کے طور پر لڑی جا سکتی ہے جبکہ تمام پُرامن ذرائع ناکام ہو چکے ہوں۔ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کے لئے زیادہ سے زیادہ قوت کا حصول فرض ہے اور انہیں اس ضمن میں کسی بیرونی طاقت کی جانب سے عائد کی جانے والی کسی پابندی یا تحدید کو ہرگز قبول نہیں کرنا چاہئے۔ فاضل مقرر نے کہا کہ قوت کا حصول اس لئے ضروری ہے تاکہ دشمن آپ پر حملہ کرنے کی جسارت نہ کر سکے اور آپ ظلم اور جبر کا دندان شکن جواب دے سکیں۔

انہوں نے کہا کہ محض دولت، ہتھیاروں یا تعداد کی کثرت پر قوت کا انحصار نہیں ہے، بلکہ اصل قوت ایمان، اعلیٰ اخلاقی اقدار، علم، اتحاد، نظم اور صحیح قیادت سے پیدا ہوتی ہے۔

جناب عمران این حسین نے کہا کہ مسلمانوں کے لئے ایٹمی ہتھیاروں کا استعمال چند شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔ اولاً ان کے استعمال میں پہل نہیں کی جائے گی، اِلّا یہ کہ شکست اور غلامی سے بچنے کے لئے ان کا استعمال ناگزیر ہو جائے۔ ثانیاً ایٹمی ہتھیاروں سے صرف فوجی تنصیبات کو نشانہ بنایا جائے گا۔ ثالثاً ان کے استعمال کے لئے آخری فیصلہ صرف مسلمانوں کا امیر یا امام ہی کر سکے گا۔

جناب عمران این حسین نے کہا کہ پاکستان کا قیام اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ ۱۹۷۴ء میں بھارت کی جانب سے کیا جانے والا ایٹمی دھماکہ دراصل ہندوؤں کی جانب سے لاہور کی اسلامی سربراہی کانفرنس کا جواب تھا۔ اسی طرح ۱۹۹۸ء کے بھارتی دھماکوں کا مقصد جنوبی ایشیاء میں ہندوؤں کے تسلط کو قائم کرنا ہے۔ اس پس منظر میں پاکستان کے ایٹمی دھماکے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کی علامت ہیں کہ ہندو قوم پرستی کے مقابلے میں اسلام کو غلبہ حاصل ہو گا۔ فاضل مقرر نے کہا کہ پاکستان میں اسلامی انقلاب مقدر ہو چکا ہے۔ انہوں نے خیال ظاہر کیا کہ آئندہ دس برس کے اندر (ان شاء اللہ) انقلاب آجائے گا۔

جناب عمران این حسین نے کہا کہ پاکستان کا قیام فلسطین میں صیہونی جبر کے خلاف اللہ تعالیٰ کے منصوبے کا اہم حصہ ہے۔ پاکستان کے ایٹمی طاقت کے طور پر ابھرنے سے اصل نقصان اور دھچکا اسرائیل کو پہنچا ہے۔ بھارت اور اسرائیل دونوں اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود پاکستان کو ایٹمی قوت بننے سے نہ روک سکے۔ انہوں نے کہا کہ ایران اور پاکستان کو باہمی معاہدات کے ذریعے ایک دوسرے کے قریب آنا چاہئے۔ اگر ایران دشمنوں کی چال میں آکر افغانستان پر حملہ کر دیتا ہے تو اس کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر شیعہ سنی تنازعہ بھڑک اٹھے گا۔ جناب عمران این حسین نے کہا کہ پاکستان اور ایران کا اتحاد غالباً پاکستان میں اسلامی انقلاب اور یہاں پر شیعہ سنی مسئلے کے حل کے بغیر ممکن نہیں ہو گا۔

فاضل مقرر نے واضح کیا کہ اسلام اور مغرب کی گزشتہ دو سو سالہ کشاکش کے

دوران ہر موقعہ پر مغرب ہی بالادست رہا ہے۔ تاہم اس کشاکش میں تین مواقع پر مغرب کو دھچکا پہنچا ہے' یعنی قیامِ پاکستان' انقلابِ ایران اور پاکستان کا ایٹمی قوت بن جانا۔ انہوں نے تنظیم اسلامی کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو ان کی جدّوجہد پر خراجِ تحسین پیش کیا اور ڈاکٹر صاحب کی اس رائے سے مکمل اتفاق کیا کہ ایران' پاکستان اور افغانستان کی سرزمین ہی غلبۂ اسلام کا نقطۂ آغاز بنے گی اور یہیں سے جدید مغربی تہذیب کو کامیابی کے ساتھ چیلنج کیا جاسکے گا۔

چوتھے خطبہ کا عنوان :

"Political Implications of the abolition of Caliphate"

تھا' یعنی "خلافت کے خاتمہ کے سیاسی متضمنات"۔ اس موضوع پر تقریر کرتے ہوئے جناب عمران این حسین نے خلافت عثمانیہ کے خاتمے کا پس منظر بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ اس اہم واقعہ کے پیچھے ترک فوج کے بعض افسران اور بعض ترک شاعروں اور دانشوروں کا ہاتھ تھا' جنہیں بحیثیت مجموعی Young Turks کہا جاتا ہے۔ ان لوگوں نے معاشرے اور ریاست کا مغربی تصور اختیار کرلیا تھا' جس کی بنیاد لادینیت اور مادہ پرستی پر ہے۔ اس مغربی ماڈل میں مذہب کو محض بندے اور خدا کے مابین محدود کردیا گیا ہے اور سیاسی امور میں کسی مذہب کا کردار تسلیم نہیں کیا جاتا۔ حاکمیت اللہ تعالیٰ کی بجائے عوام کا حق قرار پاتی ہے۔ مغرب میں فرانس' امریکہ اور روس کے انقلابات کے ذریعے لادینیت کا تسلط ہوا۔ اس کے بعد ان لادینی قوتوں نے عالم اسلام کو اپنا نشانہ بنایا۔ خلافت عثمانیہ میں Young Turks ان کا آلۂ کار بنے جنہیں صیہونی تحریک کی باقاعدہ مدد حاصل تھی۔ ۱۹۲۲ء میں مصطفیٰ کمال "اتاترک" نے "خلیفہ" عبدالمجید کو ایک بے اختیار مذہبی قائد کی حیثیت میں محدود کردیا تھا۔ تاہم ہندوستان کی تحریک خلافت اور اس ضمن میں سر آغا خان اور سید امیر علی کی کوششوں میں چھپا ہوا خطرہ بھانپ کر مصطفیٰ کمال نے ۱۹۲۴ء میں اس نام نہاد خلافت کو بھی ختم کردیا۔ اس واقعہ کے چند روز بعد حجاز میں شریف حسین نے اپنی خلافت کا اعلان کردیا۔ لیکن یہ خلافت بھی انگریزوں اور صیہونیوں کو منظور نہ

تھی۔ لہٰذا ان کی مدد اور حمایت سے عبدالعزیز بن سعود نے شریف حسین کے خلاف اقدام کیا اور خلافت کی بجائے ایک قومی بادشاہت قائم کردی۔ ان سازشوں کے نتیجے میں خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کے بعد عالم اسلام میں خلافت کا کوئی نیا نظام نہ ابھر سکا۔ نتیجتاً ایک طرف عالم اسلام پر لادینیت اور مادہ پرستی مسلط ہوتی گئی اور دوسری جانب فلسطین میں ایک یہودی ریاست کے قیام کا راستہ ہموار ہوگیا۔

جناب عمران این حسین نے کہا کہ ترکی نے "دارالسلام" کی حیثیت ترک کر کے ریاست اور حکومت کا مغربی ماڈل اختیار کرلیا۔ اس کے بعد سعودی عرب' ایران اور پاکستان میں بھی اسی نوعیت کا ماڈل اختیار کرلیا گیا۔ جناب عمران این حسین نے اس موقعہ پر خلافت کے خاتمے کے بعد مسلمانوں کے اجتماعی نظام کے قیام کی کوششوں کی تاریخ بیان کی جس کی تفصیل ان کی کتاب "استنبول سے رباط تک" میں موجود ہے۔ انہوں نے کہا کہ کئی اسلامی تحریکیں قومی ریاست کے سیاسی عمل میں حصہ لے کر دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کر رہی ہیں۔ انہوں نے کئی مثالیں دے کر واضح کیا کہ انتخابی سیاست کے ذریعے کامیابی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ جناب عمران این حسین نے کہا کہ دنیا میں آج صرف دو بڑی جماعتیں سیاسی عمل سے باہر رہ کر اسلامی انقلاب کے لئے کوشاں ہیں۔ یعنی تنظیم اسلامی اور ترکی کی المرابطون۔ انہوں نے کہا کہ دونوں جماعتیں خلافت کا نظام قائم کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔ المرابطون خصوصاً سود کی لعنت کے خلاف مصروفِ عمل ہے اور تنظیم اسلامی کے ذریعے انقلابی عمل کے مراحل نظری طور پر واضح ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ تنظیم اسلامی آئینی ترامیم کے ذریعے بھی نفاذ اسلام کی جدوجہد کر رہی ہے۔ دونوں جماعتوں میں نظم' امیر کی اطاعت' بیعت اور انتخابی سیاست سے کنارہ کشی جیسی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ تنظیم اسلامی میں رجوع الی القرآن کی خصوصی اہمیت ہے جبکہ المرابطون میں فرد کے روحانی انقلاب کو بھی بنیادی اہمیت دی جاتی ہے۔

فاضل مقرر نے کئی احادیث کی روشنی میں التزامِ جماعت' بیعت اور اطاعت امیر کی اہمیت واضح کی اور کہا کہ فتنوں کے موجودہ دور میں ان احادیث پر عمل کئے بغیر ایمان کی حفاظت اور احیاء ممکن نہیں ہے۔

قرآن فہمی بذریعہ کمپیوٹر

امیر تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کی آواز میں

ترجمۂ قرآن اور دروسِ قرآن پر مشتمل دو کمپیوٹر CD تیار کرلی گئی ہیں

ترجمہ قرآن CD

قرآن مجید کا مکمل ترجمہ اور مختصر تشریح جامع متن قرآن

دورانیہ : 108 گھنٹے تعارفی قیمت : 175 روپے

الھدیٰ CD

مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کے 44 دروس پر مشتمل کمپیوٹر CD

دورانیہ : 44 گھنٹے تعارفی قیمت : 175 روپے

پیشکش :

شعبہ سمع و بصر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

قرآن اکیڈمی 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون : 3-5869501 فیکس : 5834000

Email : aasif@brain..net.pk.

www.tanzeem.org.pk.

Dec. 1998 Reg. No. CPL. 126
MONTHLY Vol. 17
Hikmat-e-Quran
LAHORE No. 12

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن اور امیر تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کی علمی و فکری اور دعوتی و تحریکی کاوشوں کا نچوڑ

۲۸۰ صفحات پر مشتمل ایک اہم علمی دستاویز جس میں علمی خطوط کی نشاندہی بھی موجود ہے

دعوت رجوع الی القرآن

کا منظر و پس منظر

ضرور مطالعہ کیجئے ـــــ دوسروں تک پہنچائیے

■ سفید کاغذ ■ عمدہ کتابت ■ دیدہ زیب طباعت ■ قیمت مجلد -/۸۰ روپے ■ غیر مجلد -/۶۰ روپے